قادیان سے ہجرت اور
نئے مرکز کی تعمیر

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

قادیان سے ہجرت اور نئے مرکز کی تعمیر

(فرمودہ ۱۶؍اپریل ۱۹۴۹ء برموقع پہلا جلسہ سالانہ منعقدہ ربوہ)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''میں کل دوستوں کو بتا چکا ہوں کہ ہمارا یہ جلسہ سالانہ احمدیت کیلئے ایک مرکز جدید اختیار کرنے کا جلسہ ہے۔ اِن ایّام میں ہمارے سب افکار اور ہماری ساری گفتگوئیں اور ہمارے سارے جذبات صرف ایک اور ایک مقصد کیلئے وقف رہنے چاہئیں۔ تقریریں ہوتی رہتی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔ باتیں دنیا کیا ہی کرتی ہے اور کرتی ہی چلی جائے گی مگر جو دن کسی خاص مقصد کے لئے اختیار کیا جاتا ہے وہ اُسی مقصد کے استعمال میں زیادہ تر خرچ ہونا چاہیے۔ دنیا نے، اِس سیاسی دنیا نے جس سے ہمارا کوئی واسطہ نہ تھا اِس دنیا نے جس کے مادی کاموں سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں تھی، اِس دنیا نے جس نے ہمیشہ ہی ہماری بدخواہی کی اور ہم نے اِس کی ہمیشہ خیرخواہی کی ایسا رویہ اختیار کیا کہ اس کی تدبیروں اور مکروں کے نتیجہ میں ہمیں وہ مقام چھوڑنا پڑا جس میں ہم امن اور اطمینان کے ساتھ اور بغیر کسی قسم کے لڑائی جھگڑے کے خدمت اسلام کا فرض سرانجام دے رہے تھے۔ ہم نہیں چاہتے تھے کہ ہم اُس جگہ کو چھوڑیں، ہم نہیں چاہتے تھے کہ دوسری باتوں میں ملوث ہوں۔ جب سے پاکستان بنا ہے قدرتی طور پر ہماری یہ خواہش تھی کہ ہم بھی اِس کے ساتھ ہوں اور ہم بھی اِس کے ساتھ وابستہ ہوں مگر اِس طرح نہیں کہ یہ فیصلہ کر دیا جائے کہ ہم قادیان چھوڑ کر پاکستان میں آ جائیں بلکہ ہماری یہ خواہش تھی کہ قادیان بھی پاکستان میں آ جائے۔ اِس کیلئے باؤنڈری کمیشن (BOUNDRY COMMISSION) کے ایّام میں میں خود لاہور گیا اور میں نے تمام ضروری معلومات مسلمانوں کے اُس نمائندے کو مہیا

کیس جو کمیشن کے سامنے مسلمانوں کی طرف سے کیس پیش کر رہا تھا تا کہ کسی طرح قادیان بھی پاکستان میں شامل ہو جائے۔ میں نے انگلستان سے ایک جغرافیہ دان بھی بُلایا جو وہاں ایک یونیورسٹی کا مشہور پروفیسر اور مصنف تھا تا کہ وہ کمیشن کی امداد کرے۔ لیکن یہ چیز یا تو پہلے سے طے شدہ تھی یا مخفی طور پر ہندوستان یونین سے وعدہ کر لیا گیا تھا کہ سکھوں کو خوش کرنے کے کئے ضلع امرتسر اور گورداسپور جس میں مسلمانوں کی اکثریت ہے ہندوستان کو دے دیا جائے گا۔ مجھے خوب یاد ہے جب کمیشن کے سامنے مسٹر سیتل واڈ نے جو ہندوؤں کے وکیل تھے اپنی آخری تقریر شروع کی تو جس وقت وہ گورداسپور پر پہنچے اُنہیں یہ معلوم تھا کہ میں نے تمام مسالہ جمع کر کے مسلمان نمائندوں کو دیا ہے اُنہوں نے گورداسپور پر پہنچتے ہی ذرا ٹیڑھے ہو کر میری طرف دیکھا اور ایک دھمکی آمیز رنگ میں کہا گورداسپور بہر حال ہندوستان یونین کی طرف جائے گا اور اِس کو پاکستان میں شامل کرنے کی کوشش کرنے والوں کو نقصان پہنچے گا۔ مسٹر سیتل واڈ اُس وقت انسانی نظر سے دیکھ رہا تھا لیکن ہم انسانی نظر سے نہیں دیکھا کرتے ہم آسمانی نظر سے دیکھنے کے عادی ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کفّارِ مکہ نے فیصلہ کیا کہ ہم اُنہیں قید کر لیں گے یا مکہ سے باہر نکال دیں گے یا مار ڈالیں[1] گے تو ان کی تمام تدبیریں اور چالیں عدمِ علم کی وجہ سے تھیں۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا تھا کہ اُن کی اِن تدبیروں اور اُن کی اِن چالوں کے کیا نتائج نکلنے والے ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے کفّارِ مکہ کو ساری تدبیروں کا موقع دیا لیکن آخر خدا تعالیٰ کی بات ہی غالب آئی اور انہیں شرمندگی کی وجہ سے سر جھکانے پڑے۔ یہی بات قادیان کی ہوگی۔ انڈین یونین کیا ہے ساری دنیا بھی اگر چاہے کہ وہ ہمیں قادیان سے دوامی طور پر نکال دے تو وہ نیست و نابود ہو جائے گی اور آخر قادیان ہمارا ہی ہوگا اور ہم اُسے حاصل کر کے رہیں گے۔ ہم نے خدا تعالیٰ کے ہاتھ دیکھے ہیں، ہم نے خدا تعالیٰ کے فرشتوں کی فوجوں کو دیکھا ہے، ہم نے اُس کے اقتدار کا خود معائنہ کیا ہے۔ ہمیں انسانی تدبیروں، مکروں اور چالوں کا کیا ڈر ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا الہام ہے۔ ''آگ سے ہمیں مت ڈرا آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے''۔[2] جنگ بھی ایک قسم کی آگ ہے۔ ہم جنگ نہیں کرتے بلکہ ہم امن کے ساتھ خدا تعالیٰ کے دین کو تمام

دنیا میں پھیلاتے ہیں لیکن ہم قادیان لیں گے اور دنیا کی آنکھیں دیکھیں گی کہ ہم نے قادیان واپس لے لیا ہے۔ بیشک وہ احمدی جو میرے سامنے بیٹھے ہیں کمزور ہیں اور جنگ کا نام سننے سے اُن کے دل کانپتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ ایسے لوگ خود پیدا کرے گا جو خون کی بہتی ہوئی ندیوں میں سے تیرتے ہوئے قادیان پہنچیں گے اور اُسے حاصل کر لیں گے اور خواہ انہیں تلوار کی نوکوں پر سے جانا پڑے، خواہ اُنہیں تلوار کی دھاروں پر چلنا پڑے وہ بہرحال قادیان کو لے کر رہیں گے اگر صلح کے ساتھ ہمیں قادیان نہ ملا تب بھی قادیان واپس لیا جائے گا اور ہم اُسے واپس لے کر رہیں گے۔'' (غیر مطبوعہ از ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

''اِس وقت جو اصل سوال ہمارے سامنے ہے وہ یہ ہے کہ ہم ایک نئی زندگی اختیار کریں اور ایک نئے نظام کے ماتحت پھر خدمت اسلام میں مشغول ہو جائیں۔ ہم ایک منظّم قوم ہیں ہم پراگندہ قوم نہیں ہم کسی مرکز کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ دوسرے لوگ مرکز کے بغیر رہ سکتے ہیں لیکن ہمارے سارے کام محورِ خلافت کے گرد چکر لگاتے ہیں۔ اور اِس کے معنی یہ ہیں کہ کام کرنے کے لئے کارکن بھی ہونے چاہئیں اور ایسے ادارے بھی ہونے چاہئیں جہاں کام چلانے کی تربیت دی جائے۔ اور یہ ساری باتیں تنظیم چاہتی ہیں، یہ ساری باتیں ایک مقام چاہتی ہیں، یہ ساری باتیں ایک نظام چاہتی ہیں۔ ہم پھیل کر اپنے مقصد کو حاصل نہیں کر سکتے۔ ہم ایک جگہ جمع ہو کر اور ایک تنظیم میں رہ کر ہی اپنے مقصد کو حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم میں سے کئی لوگ ایسے ہیں جن کے پاکستان میں بھی مکانات ہیں۔ خود میرے پاس بھی پاکستان میں مکان ہے مجھے جب دوستوں نے کہا کہ کیوں نہ آپ وہاں چلے جائیں تو میں نے اُنہیں یہی جواب دیا کہ ہم نے جمع ہو کر رہنا ہے اس لئے ہم وہیں رہیں گے جہاں جماعت اکٹھی ہو سکے۔ اگر جماعت اکٹھی نہ ہو سکے تو ہماری غرض اور ہمارا مقصد مفقود ہو جاتا ہے۔

پس دوستوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہمارا یہ جلسہ سالانہ تفاول کے طور پر ہے تا کہ ہم ایک نئے مرکز کی بنیاد ڈالیں۔ غیب جاننے والا خدا تعالیٰ ہی ہے اور وہی جانتا ہے کہ ہمارے ارادے کس رنگ میں پورے ہوں گے۔ لیکن فی الحال میں یہی سمجھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی مشیت اور خدا تعالیٰ کا ارادہ یہی ہے کہ ہم اِس جگہ احمدیت کے نئے مرکز کی بنیاد ڈالیں۔ ہمیں

حَاشَا وَکَلَّا کسی خاص مقام سے کوئی تعلق نہیں جہاں خدا چاہے ہم جانے کے لئے تیار ہیں اور وہی جگہ ہمارے لئے بابرکت ہوگی۔ بہرحال یہ جلسہ ایک نئے مرکز کے قیام کی غرض سے ہے اور دنیا دیکھ رہی ہے کہ اِس حالت میں بھی اللہ تعالیٰ نے جو نظام ہمیں بخشا ہے وہ کتنا زبردست ہے۔ دنیا کی کونسی قوم ہے جسے اتنی شدید پریشانی ہوئی ہو جتنی ہمیں ہوئی اور پھر اُس نے اکٹھے ہو کر اپنے لئے نئے مرکز کی تعمیر کی کوشش کی ہو۔ یہ صرف احمدی ہی ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے توفیق دی کہ وہ اپنے لئے ایک نئی جگہ بنائیں اور نئے سرے سے اپنی ترقی کیلئے کوشش کریں۔

میں اپنے مضمون کی طرف آنے سے پہلے چند ضمنی مضامین کے متعلق بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ میں جماعت کو توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ تمام قسم کی ترقیات اچھے لٹریچر کے ساتھ وابستہ ہیں۔ انگریزی ترجمۂ قرآن کریم جو حال ہی میں شائع ہوا ہے اِس کے متعلق منتظمین نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ جماعت کے دوستوں نے اس کی خریداری کی طرف پوری توجہ نہیں کی۔ بے شک اِس کی قیمت زیادہ ہے لیکن انگریزی ممالک میں تبلیغ کا اِس سے زیادہ اچھا کوئی ذریعہ نہیں۔ یہ ترجمہ جہاں اور جس مُلک میں پہنچا ہے اِس نے تبلیغ کے لئے ایک بڑا راستہ کھول دیا ہے۔ مثلاً شام کے اخباروں میں اس کے متعلق بڑے زوردار الفاظ میں مضامین نکلے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مستشرق جو اپنے آپ کو فرعون کی حیثیت دیتے ہیں اُن کے اندر بھی اِس ترجمہ کی وجہ سے کھلبلی مچ گئی ہے۔ تین بڑے مستشرقین نے اِس پر ریویو لکھے ہیں اور اتنے بغض کا اظہار کیا ہے کہ اس سے پتہ لگ جاتا ہے کہ انہوں نے یہ محسوس کر لیا ہے کہ یہ ترجمہ عیسائیت کیلئے ایک بہت بڑی زد ہوگا۔ اگر یہ معمولی چیز ہوتی تو اِن مستشرقین کو کیا ضرورت تھی کہ اتنے سخت مضامین لکھتے۔ پس میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ انگریزی ترجمۂ قرآن کریم کی اشاعت کی طرف توجہ کریں اور یورپین ممالک میں اِسے کثرت سے شائع کرنے میں امداد دیں۔

اِسی طرح مجھے بتایا گیا ہے کہ تفسیر کبیر کی نئی جلدوں کی اشاعت کی طرف بھی جماعت نے بہت کم توجہ کی ہے حالانکہ اُردو زبان میں عام لوگ بھی قرآنی مطالب کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ تفسیر کبیر کی جو پہلی جلد چھپی تھی اُس کی پانچ روپے فی جلد قیمت رکھی گئی تھی۔ مگر سٹاک ختم

ہو جانے کے بعد احمدیوں نے اُسے سَو سَو روپیہ فی جلد کے حساب سے خریدا۔ افریقہ میں ایک دوست نے ایک جلد پچاس روپے پر فروخت کر دی اور سمجھا کہ وہ اِس قیمت سے ایک اور جلد خرید لیں گے مگر اُس نے جب یہاں لکھا کہ میرے لئے تفسیر کبیر کی وہ جلد پچاس روپے تک خرید لی جائے تو ہم نے اُسے جواب دیا کہ پچاس روپے کو تو کوئی شخص یہ جلد نہیں دیتا۔ ہاں کوشش کی جائے تو سَو روپیہ تک مل سکتی ہے۔ مگر جو جِلد اَب چھپی ہے اِس کی کافی تعداد موجود ہے اور اِس کی خریداری کی طرف دوستوں نے توجہ نہیں کی۔ اب آخری جِلد شائع ہو رہی ہے اور دوستوں کے لئے دونوں جِلدوں کا اکٹھا خریدنا مشکل ہوگا الگ الگ خریدنے میں آسانی ہوتی ہے اور کسی قسم کا بوجھ محسوس نہیں ہوتا۔

الفضل والوں نے مجھ سے یہ درخواست کی تھی کہ میں جلسہ پر ان کے لئے بھی سفارش کروں لیکن جب میں آ رہا تھا تو میں نے سنا کہ وہ الفضل کے متعلق خود اعلان کر رہے ہیں۔ بہرحال الفضل ایک جماعتی اخبار ہے اور تربیت اور اصلاح و ارشاد کے لئے بہت ممد ہے۔ دوستوں کو اِس کی ایجنسیاں کھولنی چاہئیں اور اِس کی خریداری کو بڑھانا چاہیے۔

سب سے بڑی چیز وقف زندگی ہے لیکن میں افسوس سے کہتا ہوں کہ پنجاب کی تقسیم کے بعد جماعت کی توجہ اِس طرف سے ہٹ گئی ہے۔ اِس کی بڑی وجہ پریشانیاں ہیں۔ اکثر لوگ تجارتی کاموں میں لگے رہے اور جو انصار تھے وہ بھی مہاجرین کی مدد کے لئے اِدھر اُدھر بھاگتے رہے اور اِس طرف کسی نے توجہ نہیں کی لیکن وقف زندگی کے بغیر سلسلہ کے کام نہیں چل سکتے۔ دوستوں کو چاہیے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اپنی زندگیاں وقف کریں اور اسلام کو جلد سے جلد تمام دنیا پر غالب کرنے کے سامان بہم پہنچائیں۔ باوجود اس کے کہ ہمیں ابھی پریشانیاں لاحق ہیں، باوجود اس کے کہ ہم نے ابھی نیا مرکز بنانا ہے خدا تعالیٰ نے ہماری اشک شوئی کیلئے تبلیغ اسلام کو وسیع کر دیا ہے۔ چنانچہ گذشتہ سال جرمن میں ایک اچھی جماعت قائم ہوگئی اور ایک درجن کے قریب جرمن احمدیت میں داخل ہوئے۔ اِسی طرح ہالینڈ میں بھی جماعت احمدیہ قائم ہوگئی۔ جرمن احمدیوں میں سے مسٹر عبدالشکور کنزے کو جو پہلے سے احمدی تھے خدا تعالیٰ نے توفیق دی کہ وہ اسلام کی خدمت کے لئے اپنی زندگی وقف کریں۔ اِنہیں دیکھ کر کوئی شخص یہ نہیں سمجھ سکتا کہ وہ

جرمن ہیں بلکہ ہر دیکھنے والا یہ سمجھے گا کہ وہ کوئی مولوی ہیں ۔ اِنہوں نے داڑھی رکھی ہوئی ہے اور بظاہر وہ جرمن معلوم نہیں ہوتے ۔ ہالینڈ کے ایک دوست بھی اپنی زندگی وقف کرنا چاہتے ہیں اور اُن سے خط و کتابت ہو رہی ہے ۔ اسی طرح جرمن کے بعض اَور دوست بھی اِس فکر میں ہیں کہ وہ اپنی زندگیاں اسلام کی خدمت کے لئے وقف کریں ۔'' (الفضل ۱۳؍ جولائی ۱۹۶۱ء)

''ایران میں ہمارے مبلّغ تین سال سے بیٹھے تھے اور اب تک اُنہیں کوئی کامیابی نہیں ہوئی تھی ۔ آہستہ آہستہ وہاں تبلیغ ہوتی رہی ۔ وہاں کے مشنری نے خواب میں دیکھا کہ ایران کے جنوبی علاقہ میں خدا تعالیٰ کا فضل نازل ہوگا اور جماعت احمدیہ کو ترقی ہوگی ۔ اِس کے بعد اُنہوں نے ایک علاقہ میں جس کے متعلق اُنہیں خیال تھا کہ وہ خواب میں دکھایا گیا ہے لٹریچر بھیجنا شروع کیا ۔ بعض لوگ اُن سے ملنے کے لئے بھی آئے ۔ اُن کے بڑے امام کو بھی کتابیں بھیجی گئیں ۔ ایک دو ماہ کے بعد اُس نے اُنہیں لکھا کہ وفاتِ مسیح کا مسئلہ ثابت ہو گیا ہے اب آپ نبوت کے متعلق میری تسلی کرا دیں ۔ چنانچہ خط و کتابت ہوتی رہی ۔ ڈیڑھ مہینہ ہوا کہ وہ دوست احمدی ہو چکے ہیں ۔ اور نہ صرف وہ اکیلے احمدی ہوئے ہیں بلکہ اُن کے مریدوں میں سے اَور بھی کئی آدمی احمدیت قبول کر چکے ہیں ۔ اب اطلاع ملی ہے کہ اُس علاقہ میں جو تین ہزار سُنّی رہتے ہیں اُن میں سے اکثریت خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدی ہو چکی ہے اور باقی بھی قریب زمانہ میں اِنْشَاءَ اللّٰہُ احمدی ہو جائیں گے ۔ یہ لوگ ہیں تو غریب لیکن بہت جفا کش ہیں ۔ اِن کا حکومت کے ساتھ عموماً جھگڑا ہوتا رہتا ہے اور یہ اختلاف بعض اوقات لڑائیوں تک جا پہنچتا ہے ۔ اِن لوگوں نے ایرانیوں کو نکال دیا تھا اور خود آزاد ہو گئے تھے لیکن اب پھر یہ ایرانی حکومت کے ماتحت ہیں ۔ لیکن ایرانی ڈرتے ہیں کہ کہیں یہ پھر سر نہ اُٹھائیں ۔ یہ علاقہ بھی فارس کا ہے جس کے متعلق احادیث میں پیشگوئیاں ہیں کہ جب اسلام کمزور ہو جائے گا اور اُسے ضعف پہنچے گا تو خدا تعالیٰ بنو فارس میں سے ایک شخص کو کھڑا کرے گا جو دوبارہ مسلمانوں کی تنظیم کرے گا اور اسلام کو اپنی بنیادوں پر قائم کرے گا ۔'' (غیر مطبوعہ از ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

''امریکہ میں ۱۹۲۶ء سے تبلیغ ہو رہی ہے اِس وقت تک تبلیغ سیاہ فام لوگوں میں ہی ہوتی رہی ہے ۔ امریکہ میں دو کروڑ کے قریب سیاہ فام لوگ بستے ہیں ۔ پرانے زمانہ میں امریکہ

والے اِنہیں افریقہ سے اپنی خدمت کے لئے پکڑ لائے تھے لیکن ایک زمانہ آیا جب امریکنوں نے خود کہا کہ وہ اِنہیں غلام رکھنا پسند نہیں کرتے۔ امریکنوں کا ایک حصہ اِس بات کے حق میں تھا کہ اِنہیں غلام نہیں رکھنا چاہیے۔ لیکن دوسرے فریق نے انہیں غلام رکھنے پر اصرار کیا۔ دونوں میں لڑائیاں ہوئیں اور وہ فریق جیت گیا جو اِس بات کے حق میں تھا کہ سیاہ فام لوگوں کو غلام نہیں رکھنا چاہیے۔ اب یہ لوگ وہیں رہتے ہیں اِن میں سے کچھ لوگ لیبیا میں بسائے گئے تھے اور باقی وہیں آباد ہو گئے اِن کی تعداد اِس وقت دو کروڑ ہے۔ اِس وقت تک اسلام کلی طور پر اِنہیں لوگوں میں پھیل رہا تھا لیکن اب سفید فام لوگوں میں بھی ہماری تبلیغ شروع ہو گئی ہے اور پچھلے دنوں دو امریکن احمدیت میں داخل ہوئے ہیں اور مزید خوشی کی بات یہ ہے کہ ایک امریکن نے اسلام کی خدمت کیلئے اپنی زندگی بھی وقف کر دی ہے۔ اُنہوں نے لکھا ہے کہ میرے وقف زندگی کو قبول کیا جائے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ وہ پاکستان آ کر دینی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اِس کے بعد اپنے مُلک میں واپس جا کر تبلیغ کریں گے۔ اِن کے اخلاص کا یہ حال ہے کہ امریکہ کے انچارج مبلغ خلیل احمد صاحب ناصر نے اطلاع دی ہے کہ یہ دوست سَوا سولہ فیصدی کے حساب سے چندہ دے رہے ہیں اور روپیہ بھی جمع کر رہے ہیں تا کہ وہ اپنے خرچ پر پاکستان آئیں اور دینی تعلیم حاصل کریں۔'' (الفضل ۱۳؍ جولائی ۱۹۶۱ء صفحہ ۴ کالم ۲)

''اِسی طرح یہ بھی خوشی کی بات ہے کہ امریکہ میں ہمارا مشن رجسٹرڈ کروا لیا گیا ہے جب تک مشن رجسٹرڈ نہ ہو امریکہ میں اُسے باقاعدہ طور پر تسلیم نہیں کیا جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ ہمارے مبلغوں کو بار بار تنگ کیا جاتا تھا اور حکومت اُنہیں مشنری تسلیم نہیں کرتی تھی۔ جب ہم کسی مبلغ کے بھیجنے کے متعلق کوشش کرتے تو اِس میں رُکاوٹیں ڈالی جاتیں۔ پاکستان کے امریکن سفارت خانے کو ہم نے کہا کہ تمہارے مشنری جب ہمارے ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں تو ہم اپنا مبلغ آپ کے ملک میں کیوں نہیں بھیج سکتے یہ تو بے انصافی ہے۔ چنانچہ امریکہ کے قونصل نے جو ایک شریف آدمی ہیں ہماری دلیل کی قوت کو تسلیم کیا اور اُنہوں نے خود مجھے لکھا کہ یہ آپ سے بے انصافی ہو رہی ہے۔ چنانچہ ایک پارٹی کے موقع پر وہ مجھے ملے اور اُنہوں نے خوشخبری سنائی کہ اُن کی کوشش سے امریکہ سے یہ اطلاع آ گئی ہے کہ حکومت نے یہ منظور کر لیا ہے کہ احمدی مشنریوں کو

بھی تسلیم کر لیا جائے۔ میں سرکاری اطلاع بعد میں بھجوا دوں گا اور ساتھ ہی کہا کہ آپ اب اپنے مشنوں کو رجسٹر ڈ کروانے کی کوشش کریں۔ ہمارے لئے مشنوں کے رجسٹر ڈ کروانے میں بہت سی دِقتیں تھیں۔ حکومت کی طرف سے یہ سوال کیا جاتا تھا کہ ہم تمہارے مشن کو کیوں تسلیم کریں؟ جب آپ لوگ ہمارے مُلک میں دیر سے بس رہے تھے تو کیوں نہ آپ نے اپنے مشن کو رجسٹر ڈ کروایا؟ اب انہیں رجسٹر ڈ کروانے کی کیا ضرورت پیش آئی ہے؟ اس بارہ میں بھی خدا تعالیٰ نے غیب سے سامان کیا اور ہمارا مشن ایک نئی جگہ پر کھل گیا۔ وہاں حبشیوں کی ایک پارٹی رجسٹر ڈ تھی اس میں سے اکثریت احمدی ہوگئی اور اُنہوں نے حکومت سے درخواست کی کہ ان کے مشن کا نام تبدیل کر کے احمدیہ مشن رکھ دیا جائے۔ دوسرے مبلّغوں نے بھی اِس حوالہ سے درخواستیں دیں کہ ہماری جماعت فلاں جگہ پر رجسٹر ڈ ہے اس جگہ پر بھی اِسے رجسٹر ڈ کر لیا جائے۔ اب اطلاع آئی ہے کہ ہمارے دو اَور مشن بھی رجسٹر ڈ ہو گئے ہیں اب اگر وہاں مبلّغ نہیں ہوگا اور جماعت حکومت کے پاس درخواست کرے گی کہ اُنہیں مبلّغ منگوانے کی اجازت دی جائے تو حکومت کے قواعد کے مطابق اسے اِس طرف توجہ دینی پڑے گی ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ حکومت ناانصافی کر رہی ہے۔

امریکن نَومُسلم یوں بھی ترقی کر رہے ہیں امریکہ کی جماعت کا بجٹ تیس ہزار روپیہ سالانہ ہے اور جس رنگ میں ترقی کر رہی ہے اِس سے میں امید کرتا ہوں کہ وہ جلد ہی لاکھوں تک پہنچ جائے گا۔ (اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی) اور امریکہ کی دولت سے یہ بعید نہیں کہ ان کا بجٹ پاکستان کی جماعت کے بجٹ سے بھی بڑھ جائے۔ مثلاً امریکہ میں اگر بیس ہزار احمدی ہو جائیں تو امریکہ میں فی آدمی اوسط آمدن سَوا تین سَو روپیہ ہے اور فیملی تین آدمی کی ہوتی ہے۔ جس کے معنی یہ ہونگے کہ وہاں سات ہزار کمانے والے ہوں گے اور ان کی بیس لاکھ ماہوار سے زیادہ آمد ہوگی۔ اگر وہ وصیت کے معیار کے مطابق چندہ دیں تو اُن کا چندہ دو لاکھ سے کچھ اوپر ہوتا ہے۔ ہمارے مُلک کی آمد کا جو اندازہ لگایا گیا ہے اس کے مطابق ہمارے مُلک کے ایک فرد کی آمد تین روپے بارہ آنے ہے۔ اور اگر تین آدمیوں کی ایک فیملی شمار کر لی جائے تو اِس کے یہ معنی ہیں کہ ایک فرد کے حصہ میں صرف سَوا روپیہ آتا ہے۔ لیکن امریکہ میں ایک خاندان (یعنی اوسط

درجہ کے خاندان) کی اوسط آمد سَوا تین سَو روپیہ ہے گویا ہماری نسبت اُن کی آمدن تیس گنے زیادہ ہے۔ اگر امراء کو بھی شامل کرلیا جائے تو ان کی اوسط آمدن اَور بھی بڑھ جاتی ہے۔

اِس سال کے دوران میں مشرقی افریقہ میں بھی لوگ احمدی ہونے شروع ہوگئے ہیں چنانچہ اِس مہینہ میں تیس احباب جماعت میں شامل ہوئے ہیں اَور بھی کئی لوگ احمدیت کی طرف توجہ کر رہے ہیں۔ اگرچہ وہ لوگ وقف کی حقیقت کو نہیں سمجھتے مگر پھر بھی بعض دوستوں نے اپنی زندگیاں خدمت دین کے لئے پیش کی ہیں اور وہ ہمارے مبلّغوں کے ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں اور اپنے اخلاص کا ثبوت دے رہے ہیں۔'' (الفضل ۱۴؍ جولائی ۱۹۶۱ء)

''اِسی طرح اِس سال خدا تعالیٰ نے شرقِ اُردن میں بھی تبلیغ کا نیا رستہ کھول دیا ہے۔ شرقِ اُردن فلسطین کا ہی ایک حصہ علیحدہ کر کے الگ مُلک بنا دیا گیا ہے جو امیر عبداللہ کے ماتحت ہے۔ عمان سے جو شرقِ اُردن کا دارالخلافہ ہے کوئی شخص ہمارے فلسطین مشن میں آیا اور وہاں ہمارے مبلّغ رشید احمد صاحب چغتائی کو ملا اور اُن سے احمدیت کے متعلق باتیں کرنے لگا۔ جب وہ اپنے وطن واپس گیا تو اُس نے دوسرے لوگوں سے احمدیت کے متعلق باتیں شروع کیں اور ان کا طبائع پر بہت اثر ہوا اور ہمارے خیالات آگے پھیلنے شروع ہوئے۔ اُس شخص نے ہمارے مبلّغ کو لکھا کہ یہاں احمدیت کے لئے میدان تیار ہے اور بہت سے لوگ احمدی ہونے کے لئے تیار ہیں آپ اپنا مشن یہاں کھول دیں۔ عمان ایک بہت پُرانا شہر ہے اور اِس کا پُرانا نام قردیہ ہے۔ وہاں ہمارے لئے بہت سی دِقتیں تھیں مگر شام کے وزیر تعلیم نے جو ایک شریف آدمی ہیں ایک چٹھی لکھ دی کہ اِن کے راستہ میں کسی قسم کی روک نہیں ہونی چاہیے۔ اگر عمان میں احمدیت قائم ہوگئی تو یہ جگہ بھی کبابیر (فلسطین) کی طرح جہاں ہمارا مشن قائم ہے ہو جائے گی۔ یہ جگہ کبابیر سے بڑی ہے اور قصبہ ہے۔'' (غیر مطبوعہ از ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

''سپین کے متعلق جو خبریں آ رہی ہیں وہ بھی خوشکن ہیں۔ اگرچہ وہاں لوگ مسلمان نہیں ہو رہے وہ نہایت ہی متعصب ہیں لیکن پھر بھی اُن پر اسلام اپنا اثر کر رہا ہے۔ جب ہم قادیان سے نکلے تو ہم نے کمی آمد کی وجہ سے بعض مشنریوں کو لکھا کہ یا تو تمہارے مشن بند کر دیئے جائیں گے یا تم خود گزارہ کی صورت پیدا کرو اور تبلیغ کرو سلسلہ کی طرف سے تمہیں کوئی خرچ نہیں دیا جائے

گا۔ جن مشنوں کے بند کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا اُن میں سپین کا بھی مشن تھا۔ جب ہم نے اِس قسم کی چٹھیاں بیرونی مشنریوں کو لکھیں تو اِن مبلغوں نے جواب دیا کہ آپ ہمارا خرچ بے شک بند کر دیں جس طرح بھی ہو گا ہم گزارہ کریں گے۔ چنانچہ سپین کے مبلّغ نے پھیری کر کے روزی کمانا شروع کی اور خدا تعالیٰ نے اس کی کمائی میں ایسی برکت ڈالی کہ چھ ماہ کے اندر اندر اِس نے سترہ اٹھارہ سَو روپیہ جمع کر لیا اور اس نے میرا لیکچر ''اسلام کا اقتصادی نظام'' ہسپانوی زبان میں شائع کیا۔ اس کا ان لوگوں پر بہت اثر ہوا۔ اِس لیکچر میں کمیونزم کے مقابلہ میں اسلام کا اقتصادی نظام پیش کیا گیا ہے اور سپین کے لوگ چونکہ روس کے دشمن ہیں اِس لئے اُنہوں نے اِس کتاب کو بہت پسند کیا۔ اخبارات اور رسالوں نے ریویو لکھے۔ چنانچہ کل ہی مجھے ایک ریویو ملا ہے جو ایک سرکاری اخبار میں شائع ہوا ہے۔ یہ اخبار سپین کی وزارت صنعت و تجارت اور امور خارجہ کی طرف سے ہفتہ وار شائع ہوتا ہے۔ اس میں ''اسلام کا اقتصادی نظام'' پر ایڈیٹر کی طرف سے جو انسپکٹر جنرل تجارت بھی ہے ایک ریویو شائع ہوا ہے جس کا ہیڈ نگ ''اسلام اور کمیونزم'' ہے۔ ہسپانیہ کے لوگ کٹر عیسائی ہیں اور اسلام سے اُنہیں عداوت ہے لیکن جب کوئی مشترکہ بات ہو تو وہ دشمنی بھول جاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

''سپین کے ایک نہایت ہمدرد دوست کرم الٰہی صاحب ظفر جو ہمارے ملک میں جماعت احمدیہ کے مبلّغ ہیں حال ہی میں نہایت قیمتی خدمات سرانجام دے چکے ہیں جو صرف دلچسپ ہی نہیں بلکہ اہلِ سپین اور اہلِ اسلام کے باہمی دوستانہ تعلقات مضبوط کرنے اور ایک دوسرے کو اچھے طور پر سمجھنے کا ذریعہ ہیں۔ آپ نے جماعت احمدیہ کے امام حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی کی ایک لطیف تصنیف کا ہسپانوی ترجمہ شائع کیا ہے جس کا عنوان ''حقیقی امن کی طرف لے جانے والا راستہ'' ہے اور جس کا دوسرا عنوان ''اسلام کا اقتصادی نظام'' ہے۔ موجودہ ترجمہ انگریزی سے ہسپانوی میں کیا گیا ہے جس کا اُردو میں مقابلہ کیا گیا ہے۔

یہ قدرتی امر تھا کہ کتاب کسی قدر جذباتی اور مذہبی تعصب کا رنگ رکھتی مگر باوجود اس کے کمیونزم کے مقابلہ میں نہایت شاندار طور پر اسلام کا اقتصادی نظام پیش کرتے

ہوئے وزنی دلائل کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ کمیونزم نہ صرف دنیاوی سیاسی تحریکوں اور اصولوں کے خلاف ہے بلکہ مذہبی دنیا کے بھی خلاف ہے جہاں باہم معاشرتی زندگی میں مختلف الخیال لوگوں کو خواہ وہ صحیح مذہب کے پیرو ہوں یا غلط راہ پر چل رہے ہوں پوری آزادی ہے۔

اِس بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہ آپ نے اِس لیکچر کے ذریعہ دنیا بھر کو اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی ہے کتاب نہایت اعلیٰ طور پر معلومات کا خزانہ ہے۔ خصوصاً ہم کیتھولک مذہب والوں کے لئے دوسرے مذاہب اور دوسری اقوام کے خیالات جاننے کے لئے کہ اِن لوگوں کی کمیونزم کے متعلق کیا رائے ہے یہ کتاب نہایت مفید ثابت ہوئی ہے۔

ہسپانوی ناظرین کے لئے سب سے زیادہ قابل کشش اور دلچسپ چیز اِس تصنیف لطیف میں اِس کا طرزِ بیان اور دلکش طور پر خیالات کا پیش کرنا اور زبان کی مٹھاس ہے۔ کتاب معارف سے پُر ہے اور قرآن کریم کی صحیح تفسیر اور دوسری اسلام کی مقدس کتب کے حوالوں اور نہایت گہری معلومات پر مشتمل ہے۔

سب سے زیادہ انتہائی دلچسپ اور قابل ذکر بات حضرت امام جماعت احمدیہ کا ''اسلام کا اقتصادی نظام'' دنیا کے سامنے نہایت دلچسپ رنگ میں پیش کرنا ہے اور دوسرے حصہ کے لئے جو کمیونزم کے متعلق ہے آپ زیادہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جو اصحاب اقتصادیات کے متعلق اپنی معلومات وسیع کرنا چاہتے ہوں اُن سے ہم پُر زور سفارش اِس کتاب کے مطالعہ کے لئے کرتے ہیں''۔

اِس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ہمارے لٹریچر کا غیروں پر کیا اثر ہو رہا ہے۔

اِس کے بعد میں جماعت کے دوستوں کو یہ بات بتانا چاہتا ہوں کہ میں یہ سکیم یہاں لے کر آیا ہوں کہ ہم انجمن کے سارے دفاتر لاہور سے یہاں منتقل کر دیں اس لئے جیسا کہ احباب قادیان بار بار آیا جایا کرتے تھے اُسی طرح اِنہیں ربوہ میں بھی بار بار آنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر احباب بار بار ربوہ آئیں گے تو وہ ناظروں سے مل کر جماعت کی سکیموں کو معلوم کر

سکیں گے اور دوسرے لوگوں پر بھی اِس بات کا اثر ہوگا کہ کس طرح یہ لوگ اپنے نئے مرکز کو مضبوط بنانے کی کوشش کررہے ہیں۔'' (الفضل ۱۴ر جولائی ۱۹۶۱ء)

''یہ بھی یاد رہے کہ جولوگ آئندہ ربوہ آئیں وہ حتی الوسع ریل کے ذریعہ آئیں اور ریل کے ذریعہ جائیں۔ ریلوے حکام نے ہمارے ساتھ بہت اچھا تعاون کیا ہے اور ربوہ میں اُس وقت ریلوے سٹیشن بنایا ہے جب یہاں کوئی مکان نہیں تھا۔ یہ عمارتیں وغیرہ جو اَب بنی ہوئی ہوئی ہیں یہ ہم نے چند دنوں میں بنائی ہیں اور یہ بھی محض چھپر ہیں۔ ریلوے حکّام نے نہایت فراخدلی سے یہ جانتے ہوئے کہ جہاں اِس جماعت کا مرکز ہوگا ریل گھاٹے میں نہیں رہے گی یہاں اسٹیشن کھول دیا ہے اور آئندہ ان کا ارادہ اسے مستقل اور اہم سٹیشن بنانے کا ہے۔ انہوں نے حکّام بالا کی منظوری کے بغیر بامید منظوری یہ سٹیشن بنایا ہے اور اب انہیں دکھانا ہوگا کہ ہم نے یہاں سٹیشن کھولنے میں غلطی نہیں کی بلکہ اِس میں پاکستان کا فائدہ تھا۔ اگر جماعت کے دوست یہاں بار بار نہ آئیں گے تو اِس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ریلوے کی آمدنی کم دکھائی جائے گی اور حکّامِ بالا اعتراض کریں گے کہ محض خیالات پر بنیاد قائم کرکے یہاں سٹیشن کھول دیا گیا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تم کسی اور ذریعہ سے سفر نہ کرو۔ ضرورت کے وقت دوسرے ذرائع سے بھی سفر کیا جاسکتا ہے لیکن جہاں تک ممکن ہو ریلوے کے ذریعہ سفر کیا جائے۔ میں نے خود اپنے سب گھر والوں کو ریل کے ذریعہ بھیجا ہے اور خود موٹر پر آیا ہوں کیونکہ اُس دن میری ایک دعوت تھی جو یونیورسٹی کی طرف سے کی گئی تھی اور وہاں مجھے کئی دوسرے لوگوں سے ملنے کا موقع مل سکتا تھا۔ میں اُس دعوت پر چلا گیا اور پھر موٹر کے ذریعہ یہاں آیا۔ پس میرا یہ مطلب نہیں کہ خواہ کچھ بھی ہو آپ لوگ صرف ریلوے کے ذریعہ سفر کریں بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو دوست ریلوے کے ذریعہ سفر کریں۔ میں نے تمام گھر والوں کو ریل کے ذریعہ یہاں بھیجا تھا گو موٹر کے ذریعہ آنے میں شائد تیسرا حصہ خرچ ہوتا۔ میں نے یہی سوچا کہ فائدہ اِسی میں ہے کہ میں اِنہیں ریل کے ذریعہ بھیجوں تا ریلوے کے وہ حکّام جنہوں نے ہم سے تعاون کرتے ہوئے یہاں اسٹیشن کھولا ہے بدنام نہ ہوں۔

ہمارا یہ بھی ارادہ ہے کہ سٹیشن کو اِسی صورت پر ہی قائم نہ رکھا جائے بلکہ اِسے بڑھایا جائے

اور بڑا اسٹیشن بنایا جائے۔ اب ڈاک خانہ والوں کے بھی آدمی آئے ہیں اور وہ بھی یہاں ڈاکخانہ کھولنے کے لئے تیار ہیں اور اگر بات پختہ ہوگئی تو پھر منی آرڈروں کے آنے جانے اور دوسری ڈاک میں بھی سہولت پیدا ہو جائے گی اور دوسرے لوگوں سے ہمارے تعلقات زیادہ اچھے ہو جائیں گے۔ پس جماعت کو چاہیے کہ وہ کثرت سے ربوہ آنا جانا شروع کر دے اور پھر وہ ریل کے ذریعہ سفر کرے سوائے کسی مجبوری کے یا سوائے اِس کے کہ انہیں ریل کے ذریعہ سفر کرنے میں نقصان ہوتا ہو۔

اِس کے بعد میں اس کڑی کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں جو ربوہ کے قیام کے متعلق ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے میں اِس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ہندوستان میں جب انگریز کا راج تھا اور ہم اُس کی رعایا تھے اُس وقت حکومت میں ہمارا کوئی دخل نہیں تھا۔ اب پاکستان بن چکا ہے اور حکومت جہاں قومی ہے وہاں ہماری محسن بھی ہے۔ اِس لئے ہم پر اب پہلے سے زیادہ فرض ہے کہ اِس کی حفاظت اور مضبوطی کے لئے کوشش کریں۔ اور حفاظتیں خالی نعروں سے نہیں ہوا کرتیں، صرف منہ سے یہ کہہ دینا کہ ہم اپنے مُلک کی حفاظت کریں گے اور پاکستان زندہ باد کا نعرہ لگا دینا اِس بات کا یقین نہیں دلاتا کہ پاکستان کی واقعہ میں حفاظت کی جائے گی۔ خالی نعروں سے پاکستان زندہ نہیں ہوگا۔ وہ زندہ اُسی وقت ہوگا جب آپ لوگ مُلک کی خاطر موت کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ جب تک آپ خود مردہ باد نہیں ہو جاتے پاکستان زندہ باد کس طرح ہوسکتا ہے۔ اگر آپ منہ سے ''پاکستان زندہ باد'' کے نعرے لگائیں اور جب اِس کی حفاظت کا سوال آئے تو کہہ دیں ہم اِس کے ذمہ دار نہیں تو ''پاکستان زندہ باد'' کس طرح ہوسکتا ہے۔ پاکستان اُس وقت ''زندہ باد'' ہوگا جب آپ موت کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ اور مرنے کے بھی ڈھنگ ہوتے ہیں سارے لوگ مرنا بھی نہیں جانتے۔

کہتے ہیں کسی مجلس میں ایک ڈاکٹر اور ایک اناڑی طبیب دونوں بیٹھے تھے کہ طب کا ذکر شروع ہوگیا۔ اناڑی طبیب کے متعلق ڈاکٹر نے کہا کہ اِسے طب نہیں آتی یونہی اِس نے علاج کرنا شروع کیا ہوا ہے۔ اِس پر اناڑی طبیب نے کہا جناب! یہ باتیں تو ہوتی رہتی ہیں آپ کا علم بھی ہم نے دیکھ لیا کہ وہ کتنا وسیع ہے۔ میرے بھی کئی مریض بچتے ہیں آپ کے بھی کئی مریض

بچتے ہیں۔ میرے بھی کئی مریض مرتے ہیں اور آپ کے بھی کئی مریض مرتے ہیں یا تو کہیں کہ آپ کا مریض مرتا ہی نہیں۔ ڈاکٹر ہوشیار آدمی تھا اُس نے کہا میرے مریض بچتے بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں لیکن تمہارے مریض بچتے ہیں تو وہ اتفاقی طور پر بچ جاتے ہیں اور میرے مریض بچتے ہیں تو وہ میرے علم کے ماتحت بچتے ہیں۔ اور پھر میرے مریض مرتے ہیں تو قانونِ قدرت کے ماتحت مرتے ہیں لیکن تمہارے مریض جہالت کی وجہ سے مرتے ہیں ورنہ موت تو بدل نہیں سکتی۔ غرض مرنے کا بھی ایک فن ہوتا ہے اور مارنے کا بھی ایک فن ہوتا ہے اور جس شخص کو یہ دونوں فن نہ آتے ہوں وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ وقت آنے پر میں پاکستان کی حفاظت کروں گا اور اِسے دشمن سے بچالوں گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے۔ کوئی بادشاہ تھا اُس نے اپنے وزیروں کو بُلایا اور اُن سے دریافت کیا کہ فوج پر کیا خرچ ہوتا ہے؟ وزیروں نے بتایا کہ مثلاً فوج پر پچاس لاکھ یا ساٹھ لاکھ روپیہ سالانہ خرچ ہوتا ہے۔ بادشاہ نے کہا اتنا روپیہ یونہی فوج پر برباد کیا جا رہا ہے یہ تو بیوقوفی کی بات ہے۔ وزیروں نے کہا بادشاہ سلامت! پہلے سے یہی ہوتا چلا آیا ہے۔ بادشاہ نے کہا یہ بیوقوفی کی بات ہے فوج پر اتنا روپیہ خرچ نہیں کرنا چاہیے۔ لڑائی کا کیا ہے یہ قصاب جو روزانہ جانور ذبح کرتے ہیں کیا یہ فوج کا کام نہیں دے سکتے؟ جب لڑائی کا موقع آیا ہم انہیں محاذ پر بھیج دیں گے۔ چنانچہ ملک کی فوج برخواست کر دی گئی اور تمام قصابوں کو یہ کہہ دیا گیا کہ وہ وقت آنے پر لڑائی کے لئے تیار رہیں۔ ہمسایہ بادشاہ نے جب یہ دیکھا کہ اِس مُلک کا بادشاہ اتنا عقلمند ہے کہ اس نے اپنی فوج کو برخواست کر دیا ہے اور قصابوں کو لڑائی کے لئے تیار رہنے کا حکم دیا ہے تو وہ اپنی فوجیں لے کر اُس مُلک پر چڑھ آیا۔ قصابوں کو حکم دے دیا گیا کہ وہ لڑائی کے لئے چل پڑیں۔ اِس پر تمام قصاب اپنی چھریاں تیز کر کے لڑائی کے لئے چل پڑے۔ پانچ چھ منٹ کی لڑائی کے بعد ہی وہ بھاگتے ہوئے بادشاہ کے پاس آئے اور شور مچانا شروع کر دیا کہ بادشاہ سلامت فریاد! فریاد! فریاد! بادشاہ اِس انتظار میں تھا کہ لڑائی کے متعلق کوئی خوشکن خبر آئے۔ وہ قصاب جب چلاتے ہوئے دربار میں آئے تو بادشاہ نے پوچھا یہ کیا؟ قصابوں نے جواب دیا بادشاہ سلامت! ہم ایک آدمی کو دو تین مل کر پکڑتے ہیں اور

قبلہ رُخ کر کے بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر نہایت اُستادی سے ذبح کرتے ہیں مگر اتنے میں دشمن ہمارے بیس بیس آدمی مار دیتا ہے انہیں روکئے بھلا یہ بھی کوئی اُستادی ہے۔ ابھی وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ فوج آ پہنچی اور بادشاہ قید ہوگیا۔ غرض کوئی کام بے سکیم کے نہیں ہوسکتا۔ اگر بے سکیم ہوسکتا تو پھر قصابوں کے بعد مُلک میں کسی فوج کی کیا ضرورت تھی۔ وقت آتا تو تمام قصاب نیشنل گارڈ، ہوم گارڈ اور فوج میں بھرتی کر لئے جاتے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اس طرح مُلک کی حفاظت ہو جائے گی؟ تم یقیناً یہی کہو گے کہ اس طرح مُلک کی حفاظت نہیں ہوسکتی۔ اس لئے کہ قصاب لڑائی کے فن سے واقف نہیں۔ جب تک کوئی لڑائی کے فن سے واقف نہ ہو وہ لڑائی میں مفید ثابت نہیں ہوسکتا۔ اس لئے خواہ کچھ بھی ہو پاکستانیوں کو چاہیے کہ وہ مُلک و ملّت کی حفاظت کے لئے فوج میں بھرتی ہوں اور اِس طرح اپنے مُلک کی حفاظت کا صحیح طریق سیکھیں۔

میں آپ لوگوں کو سمجھانے کے لئے ایک اَور مثال بھی دے دیتا ہوں۔ کہتے ہیں کوئی پٹھان تھا اُس نے اپنی مونچھیں اونچی کر لیں اور اعلان کر دیا کہ میرے سوا کسی اور کو مونچھیں اونچی کرنے کا حق حاصل نہیں۔ اگر کسی نے مونچھیں اونچی کیں تو میں اُس کی گردن اُڑا دوں گا۔ شہر والوں نے اپنی مونچھیں نیچی کر لیں اور وہ پٹھان جس کسی کی مونچھیں اونچی دیکھ لیتا وہ اُس کے کان پکڑ لیتا اور دوسرا شخص کہتا نہیں خانصاحب غلطی ہوگئی اور اپنی مونچھیں نیچی کر لیتا۔ سب شہر والے تنگ آ گئے اُنہوں نے اُس پٹھان کو سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ نہ مانا اور اِس بات پر مصر رہا کہ مونچھیں اونچی کرانے کا اُس کے سوا اور کسی کو حق حاصل نہیں۔ شہر میں کوئی غریب امن پسند آدمی تھا، وہ عقلمند تھا جب اُس نے دیکھا کہ شہر والوں کو اس پٹھان نے تنگ کیا ہوا ہے تو اُس نے بھی مونچھیں رکھ لیں۔ وہ سارا دن گھر بیٹھا رہتا اور مونچھوں پر تیل ملتا رہتا۔ جب اُس کی مونچھیں بڑی ہوگئیں تو اُس نے تلوار نکالی اور باہر نکل کر بازار میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ اتنے میں وہ خانصاحب آئے اور جب اُسے دیکھا کہ اُس نے مونچھیں اونچی کی ہوئی ہیں تو تلوار نکال لی اور کہا ہمارے سِوا مونچھیں اونچی رکھنے کا کسی کو حق حاصل نہیں۔ اُس آدمی نے کہا کیا تم نے مونچھیں رجسٹرڈ کروا رکھی ہیں؟ تم کون ہوتے ہو اونچی مونچھیں رکھنے والے؟ اُس پٹھان نے کہا ہم نے اعلان کیا ہوا ہے کہ ہمارے سِوا کسی اور کو اونچی مونچھیں رکھنے کا حق حاصل نہیں اور جو

شخص اونچی مونچھیں رکھے گا میں اُس کی گردن اُڑا دوں گا۔ اگر تم مونچھیں نیچی نہیں کرتے تو آؤ مقابلہ کرلو۔ اِس پر اُس نے تلوار کھینچ لی اور اس شخص نے بھی تلوار نکال لی۔ اور کہا خان! تمہارا تو حق ہے کہ تم میرے ساتھ لڑائی کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ لڑائی کروں گا لیکن اس میں ہمارے بیوی بچوں کا کیا قصور ہے۔ نہ میرے بیوی بچوں کا کوئی قصور ہے نہ تمہارے بیوی بچوں کا کوئی قصور ہے۔ اب اگر تم نے مجھے مار دیا یا میں نے تجھے مار دیا تو یہ بہت بڑا ظلم ہوگا ہمارے بیوی بچوں کی کون نگرانی کرے گا؟ میں پھر کہتا ہوں کہ میں ضرور لڑائی کروں گا لیکن پہلے تم بھی اپنے بیوی بچوں کو مار آؤ اور میں بھی اپنے بیوی بچوں کو مار آتا ہوں۔ پٹھان نے کہا یہ درست ہے۔ چنانچہ وہ اپنے بیوی بچوں کو مارنے کے لئے گھر چلا گیا۔ مگر دوسرا شخص وہیں ٹہلتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد پٹھان واپس آیا اور اُس نے کہا اُٹھو! میں اپنے بیوی بچوں کو مار آیا ہوں آؤ اور مجھ سے مقابلہ کرلو۔ اس شخص نے کہا کیا تم اپنے بیوی بچوں کو مار آئے ہو؟ پٹھان نے کہا ہاں۔ اِس پر اُس شخص نے کہا اگر تم اپنے بیوی بچوں کو مار آئے ہو تو میں شکست مانتا ہوں اور اپنی مونچھیں نیچی کر لیتا ہوں۔ اب دیکھو اس شخص نے عقل کی بات تو کر لی لیکن یہ فرد کا مقابلہ تھا۔ قوموں کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے حکومت کے منشاء کے مطابق فوجی فنون سیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے اگر تم دوسری قوموں کے سامنے اپنا سر بلند رکھنا چاہتے ہو تو تمہارے لئے ضروری ہوگا کہ تم جنگ کے فنون سیکھو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فنونِ جنگ سیکھنے کا اتنا شوق تھا کہ آپ صحابہ کے دو گروہ بنا کر اُن کی آپس میں تیراندازی کروایا کرتے تھے۔ احادیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ آپ نے صحابہؓ کو اکٹھا کیا اور ان کی دو پارٹیاں بنا دیں۔ آپ نے چاہا کہ میں خود بھی ایک پارٹی میں شامل ہو جاؤں۔ اِس پر دوسری پارٹی نے کمانیں نیچی جھکا دیں اور کہا ہم اِس طرف تیر نہیں چلا سکتے جدھر آپ ہوں۔[۳] بہرحال اس سے ثابت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس قدر شوق تھا کہ آپ خود جنگ کی مشقیں کرواتے رہتے تھے حتّٰی کہ بخاری میں ایک روایت آتی ہے کہ ایک دفعہ مسجد نبوی میں بعض حبشیوں نے جنگی کرتب دکھائے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دروازے میں کھڑے ہو گئے اور حضرت عائشہؓ سے فرمایا میرے کندھے میں سے

سر نکال کر دیکھ لو۔ آپ فرماتی ہیں اِس طرح میری شکل نظر نہیں آتی تھی۔ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں میں سے فنونِ جنگ دیکھتی رہی حتّٰی کہ آپ نے فرمایا عائشہؓ! کیا تم تھک گئی ہو؟[۴] پس آپ لوگوں کو چاہیے کہ جہاں جہاں موقع ملے حکومت کے منشاء کے مطابق فنونِ جنگ سیکھنے کی کوشش کرو۔ اگر پاکستان پر کبھی حملہ ہوا اور لڑائی ہوگئی تو جو لوگ فنونِ جنگ سے واقف ہونگے وہ اپنے مُلک کی حفاظت کیلئے فوج کے ساتھ مل کر مارچ کرسکیں گے لیکن اگر تم فنونِ جنگ نہیں سیکھو گے تو کیا تم صرف نعرے ہی مارتے رہو گے؟ تم کس منہ سے اپنی اولاد کے سامنے اپنا سر اونچا رکھ سکو گے؟ تم کس منہ سے اپنے ہم وطنوں کے سامنے سر اونچا رکھ سکو گے؟ تم کس طرح اپنی ماؤں کے سامنے سر اونچا رکھ سکو گے؟ تم کس طرح ان کی دعائیں لو گے کہ بیٹا زندہ رہو۔ تمہیں ان دعاؤں کا کوئی حق حاصل نہیں ہوگا بلکہ ماں کا اُس وقت یہ فرض ہوگا کہ وہ تمہیں کہے میرے سامنے سے دُور ہو جاؤ تم بزدل ہو تمہارا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔‘‘

(الفضل ۱۵ر جولائی ۱۹۶۱ء)

’’پس ہمیں اپنے مرکز کے ساتھ رہ کر کئی قسم کی پابندیاں برداشت کرنا ہوں گی۔ ہم اپنا نیا مرکز اِس لئے بنا رہے ہیں تا ہم خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلقات کو بڑھائیں، خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلقات کو وسیع کریں۔ نہ اس لئے کہ ہم خدا تعالیٰ سے اپنے تعلقات کو منقطع کر لیں۔ ہم نے اپنے آپ کو منظّم کر کے ظلم کا بدلہ لینا ہے۔ دنیا اِس ظلم کو بھول جائے تو بھول جائےمگر ہم اِسے نہیں بھولیں گے اور اُس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک کہ اِس ظلم کا بدلہ نہ لے لیں۔ لاکھوں مسلمانوں کو تلوار کے گھاٹ اُتارا گیا۔ ہزاروں عورتوں کو اغوا کر لیا گیا۔ ہزاروں بچوں کو نیزے مار مار کر مار دیا گیا۔ ہزاروں عورتوں کی عصمتوں کو لوٹا گیا۔ اُن کی چوٹیاں کاٹی گئیں۔ اُن کے پستانوں کو کاٹا گیا۔ اُن کی شرمگاہوں میں نیزے مار مار کر اُنہیں مارا گیا۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ جب تک کسی شریف انسان کے جسم میں خون کا ایک قطرہ تک بھی باقی ہے وہ اِن مظالم کو بُھلا نہیں سکتا۔ کوئی بے حیا شخص ہی ہوگا جس کو یہ باتیں بھول جائیں مگر ایسا آدمی صفحۂ ہستی پر رہنے کے قابل نہیں ہوسکتا۔ یہ درست ہے کہ ہماری جماعت صلح پسند ہے اور ہم صلح کے لئے ہی پکاریں گے مگر دوسری طرف ہمیں اِس ظلم کا بدلہ لینے کے لئے تیاریاں کرنا

ہوں گی اور اگر کوئی لڑائی ممکن ہے تو ہمیں اِس کے لئے ہر وقت تیار رہنا ہوگا۔''

(غیر مطبوعہ از ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

''حضرت مسیح علیہ السلام کو ہی دیکھ لو اُنہوں نے اگر ایک طرف یہ کہا ہے کہ تمہاری ایک گال پر اگر کوئی شخص طمانچہ مارے تو تم اپنی دوسری گال بھی اُس کی طرف پھیر دو[۵] تو دوسری طرف آپ نے یہ بھی کہا کہ اگر تمہیں کرتہ بیچ کر بھی تلوار خریدنی پڑے تو تُو تلوار خرید۔[۶] اور یہ دونوں باتیں درست تھیں۔ اگر یہ دونوں باتیں متضاد ہیں تو حضرت مسیح علیہ السلام نے ان کا کیوں حُکم دیا؟ اگر مسیح علیہ السلام کے لئے یہ دونوں باتیں ٹھیک ہوسکتی ہیں تو ہمارے لئے بھی یہ دونوں باتیں کیوں ٹھیک نہیں ہوسکتی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک طرف اگر امن کا پیغام دیا تو دوسری طرف لڑائیاں بھی کیں۔ یہ ضروری نہیں کہ دونوں باتیں ایک ہی وقت میں ہوں بلکہ آپ نے یہ سکھایا ہے کہ ہر ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ موقع کے مطابق چلتا چلا جائے۔ پس ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم حکومت کی منشاء اور تجویز کے مطابق فنونِ جنگ سیکھنے کی طرف توجہ کریں اور اِس طرح وقت آنے پر اپنے مُلک کی حفاظت کریں۔''

(الفضل ۱۵ر جولائی ۱۹۶۱ء صفحہ ۵ کالم ۱)

''ہم میں سے ہزاروں ہزار ایسے ہیں جنہوں نے کشمیر کے محاذ پر جا کر ٹریننگ حاصل کی اور وقت کی ضرورت کو پورا کیا۔ جہلم میں چلے جاؤ تم دیکھو گے کہ ہر ایک غیر احمدی کے منہ پر یہ بات ہے کہ اگر کسی نے مُلک کی کوئی خدمت کی ہے تو احمدیوں نے کی ہے۔ چنیوٹ میں جلسہ کر لینے سے کیا بنتا ہے۔ تم محاذ پر چلے جاؤ اور پوچھو کہ کس نے قربانی کی ہے؟ تمہیں ایک ایک بچہ ایسا ملے گا جو کہے گا کہ اگر قربانی کی ہے تو احمدیوں نے کی ہے۔ تم محاذ پر چلے جاؤ اور فوجیوں سے پوچھو کہ اُن کے ساتھ مل کر کس نے کام کیا ہے؟ تو تمہیں معلوم ہوگا کہ ہمارے فرقان کے سپاہی منظّم فوج سے کسی صورت میں کم نہیں۔ نوشہرہ کے محاذ پر ایک قلعہ کے اوپر جب پاکستانی فوجوں نے حملہ کیا اور فرقان فورس کو اپنے ساتھ شامل کر لیا اُس وقت پاکستانی فوج کے آدمی دو تین گنا زیادہ تھے اور احمدی والنٹیئر ایک تہائی حصہ کے قریب تھے لیکن جس وقت وہ سرنگوں اور بموں کے علاقے کو پار کر کے اپنی منزل مقصود پر پہنچے تو کل چالیس آدمی تھے۔ جن میں سے ۲۹

احمدی تھے اور گیارہ دوسرے تھے۔ اگر تم فنونِ جنگ سیکھو گے تو ایمان کی وجہ سے تمہارے اندر جرأت پیدا ہوگی بلکہ تم دوسروں کے اندر بھی دلیری پیدا کر سکو گے لیکن اگر تم فنونِ جنگ نہیں سیکھو گے تو دوسروں کے سامنے کیا نمونہ پیش کرو گے۔'' (غیر مطبوعہ از ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

''تم شاید کہہ دو کہ ہم چندہ زیادہ دیتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ایمان اور اخلاص کا کیا تقاضا ہے؟ اخلاص تو یہ چاہتا ہے کہ جو کچھ خدا مانگے وہ دو۔ یہ نہیں کہتا کہ خدا تعالیٰ جان مانگے تو تم جان نہ دو۔ اگر تمہارے اندر اخلاص ہے تو تم چندہ بھی دو گے، وطن کیلئے ہر قسم کی قربانیاں بھی کرو گے اور اگر تمہاری جان کی ضرورت پڑے تو بشاشت کے ساتھ تم اپنی جان بھی پیش کرو گے۔''

(الفضل ۱۵ر جولائی ۱۹۶۱ء صفحہ ۵ کالم ۱)

''یہ وہ چیزیں ہیں جن کی وجہ سے ہم ربوہ میں آئے ہیں۔ یہ آواز ہے جو ربوہ سے اُٹھائی جائے گی۔ آج جو لوگ ہم پر غداری کا الزام لگاتے ہیں اگر ملک پر کوئی کٹھن وقت آیا تو وہ بھگوڑے ہوں گے اور اوّل صف میں احمدی کھڑے ہونگے۔ مگر وہ مخلص احمدی ہونگے منافق نہیں۔

میں نے پہلے بھی سنایا تھا اور آج عورتوں میں تقریر کرتے ہوئے بھی اِس کا ذکر کیا ہے کہ وہ لوگ جن کو تم کمی کہا کرتے تھے وہ زیادہ قربانی کر رہے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اپنے آپ کو جاٹ اور راجپوت وغیرہ کہہ کر مجلس میں اپنی بڑائیاں بیان کیا کرتے تھے وہ قربانی میں کم ہیں۔ بلکہ وہ عورتیں جن کو تم کمزور سمجھتے تھے وہ تم سے زیادہ قربانیاں کر رہی ہیں۔ گوجرانوالہ کے ضلع میں ایک بیوہ عورت تھی وہ بڑی عمر کی تھی اور اُس کا خاوند مر چکا تھا۔ اُس کا ایک ہی بیٹا تھا اُس کے گاؤں میں ہمارا آدمی پہنچا جو فرقان فورس کے لئے ریکروٹ لینے گیا تھا۔ لوگوں کو اکٹھا کیا گیا اور ہمارے اُس مبلّغ نے تقریر کی اور نوجوانوں کو اِس مقصد کے لئے بُلایا۔ لیکن کمزور دل مرد خاموش اور سر جھکائے کھڑے رہے تب وہ بیوہ عورت اُٹھی اور اُس نے پردہ میں اُسے آواز دی اور بڑے جوش سے کہا او فلانے! اپنے بیٹے کا نام لے کر کہا تو سنتا نہیں! دین کے لئے جان کی ضرورت ہے اور تو خاموش کھڑا ہے! تو جواب کیوں نہیں دیتا؟ وہ بچہ آگے آیا اور اُس نے اپنا نام لکھوایا۔ یہ وہ قربانی کا مظاہرہ تھا جو ایک بیوہ اور بوڑھی عورت کی طرف سے کیا گیا۔ اور میں

یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ وہ عورت بھی انہی لوگوں میں سے تھی جن کو تم کمی کہتے ہو۔ جب یہ خط مجھے پہنچا میں نے لفافہ کھولا اور پڑھنا شروع کیا جب میں وسطِ خط میں پہنچا تو میرے دل میں اِس واقعہ کا اتنا اثر ہوا کہ میں نے خط بند کر دیا اور میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی کہ اے خدا! میرا بھی حق ہے کہ میں تیری راہ میں قربانیاں کروں۔ اگر تیری راہ میں کسی جان کی ضرورت ہے تو اے خدا! میری تجھ سے درخواست ہے کہ تو میرے کسی بیٹے کی جان لے لیجیو مگر اِس بڑھیا ماں کا بچہ صحیح سلامت واپس آ جائے۔

اِسی طرح لائلپور کی ایک عورت کا بھی ایسا ہی واقعہ ہے۔ لائلپور میں بھی ایک عورت تھی۔ اور وہ بھی انہی لوگوں میں سے تھی جن کو تم کمی کہتے ہو۔ لیکن خدا تعالیٰ کی نظر میں وہ تم سے زیادہ عزت والی تھی۔ وہ عورت ترکھان تھی۔ جب ہمارا مبلّغ وہاں گیا اور اُس نے کہا اِس وقت ملک کی حفاظت اور اُس کی عزت کا سوال ہے پاکستان کے احمدیوں کو چاہیے کہ وہ اِس کے لئے آگے بڑھیں اور اپنی جانیں پیش کریں تو اُس عورت نے کہا کیا واقعہ میں دین کو جان کی ضرورت ہے؟ ہمارے مبلّغ نے کہا ہاں اِس وقت دین اور ملک کی حفاظت کے لئے جان کی قربانی کی ضرورت ہے۔ اُس عورت کے دو لڑکے اور دو پوتے تھے اُس نے کہا اگر یہ بات درست ہے تو میں اپنے چاروں بچوں کو پیش کرتی ہوں تم بیشک اِن چاروں کو لے جاؤ۔ پھر اُس نے اپنے لڑکوں کو اور پوتوں کو بُلا کر کہا کہ دین اور مُلک کی حفاظت کے لئے تمہاری جانوں کی ضرورت ہے۔ احمدی فوج کی طرف سے تمہیں بُلایا جا رہا ہے تم چاروں چلے جاؤ اور یاد رکھو میں اُس وقت تک گھر میں نہیں گھسوں گی جب تک تم چاروں یہاں سے چلے نہیں جاتے۔ ہمارے مبلّغ نے کہا ہمیں تمہارے دونوں لڑکوں اور پوتوں میں سے صرف ایک چاہیے لیکن وہ عورت نہ مانی۔ آخر بڑے اصرار کے بعد اُس نے کہا پھر دو کو تو ضرور لے جاؤ۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن سے قومیں بڑھتی ہیں اور دشمن کے مقابلہ میں وہ شرمندہ نہیں ہوتیں۔

جہلم کی جماعت ایسی ہے جس نے باقی جماعت کے سامنے ایک نمونہ پیش کر دیا ہے اور ایسی باقاعدگی سے اس کام میں حصہ لیا ہے کہ کسی اور شہر کے احمدیوں نے ایسا نمونہ نہیں دکھایا۔ کراچی، سیالکوٹ، لاہور، راولپنڈی، ملتان اور لائلپور جیسے بڑے بڑے شہر موجود ہیں لیکن اُن

میں سے کسی شہر نے بھی ایسا نمونہ نہیں دکھایا جو جہلم کی جماعت نے دکھایا ہے۔ اگر یہ سچ نہیں تو وہ لوگ کھڑے ہو جائیں جنہوں نے اپنی اپنی جماعت کا پورا ۶۴ واں حصہ فرقان فورس میں بھیجا ہے۔ اِس کے مقابلہ میں جہلم کے امیر کی طرف سے جب کسی کو محاذ پر جانے کے لئے کہا گیا تو اُس نے انکار نہیں کیا بلکہ اُس نے کہا اگر مجھے ملازمت سے استعفیٰ بھی دینا پڑے تو میں ضرور جاؤں گا۔ چھٹیاں دوسری جگہوں پر بھی مل سکتی ہیں پھر جو کام جہلم کی جماعت کرسکتی ہے وہ دوسری جماعتیں کیوں نہیں کرسکتیں۔ آخر وہ کونسا وقت آئے گا جب تم فنونِ جنگ سیکھو گے اور دشمن کے سامنے اپنی چھاتی تان کر کھڑے ہو جاؤ گے۔ اگر تم اب ایسا نہیں کرتے تو وقت آنے پر سوائے ناکامی اور حسرت سے تمہیں اور کیا ملے گا۔ لوگ اِس بات پر چڑتے ہیں کہ ایک طرف تو ہم پاکستان سے وفاداری کا اعلان کرتے ہیں اور دوسری طرف ہماری یہ مذہبی تعلیم ہے کہ احمدی خواہ کسی مُلک میں ہوں وہ اپنے اپنے مُلک کے وفادار رہیں۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں درست ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جو احمدی انڈین یونین میں رہتے ہیں وہ انڈین یونین کے وفادار رہیں گے۔ یہی قائداعظم نے کہا تھا اور یہی گاندھی جی نے کہا تھا اور جو اِس کے خلاف لکھتا ہے وہ قائداعظم پر الزام لگاتا ہے۔ ہماری تو تعلیم ہی یہی ہے کہ ہمارے احمدی جس مُلک میں بھی رہیں گے وہ اُس کے وفادار رہیں گے۔ ہاں زائد فرق یہ ہے کہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ صرف پاکستان میں ہی نہیں بلکہ ساری دنیا میں اسلام کی ترقی کے ذرائع موجود ہیں اور جب تک ہم اس اصول پر عمل نہ کریں کہ جس مُلک میں ہم رہیں اُس کے وفادار بن کر رہیں ہم اُن ذرائع سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے''۔

اِس موقع پر حضور نے فرمایا:۔

''ایک دوست نے سوال کیا ہے کہ انشورنس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ اِس کے متعلق میں اس وقت صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ اب تک انشورنس کا جو طریق رائج ہے وہ اسلام کے خلاف ہے جب کوئی ایسا طریق نکل آئے گا جو اسلام کی اجازت میں آجاتا ہو تو میں اُس کو جائز قرار دے دوں گا۔

اِسی طرح میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ربوہ میں مکان بنانے کے لئے کچھ شرائط ہوں گی

جن کی پابندی لازمی ہوگی۔ مثلاً ربوہ میں مکانات بنانے والوں اور دُکانیں کھولنے والوں کے لئے یہ بات لازمی قرار دے دی جائے گی کہ وہ ایک سال میں ایک ماہ خدمت دین کے لئے وقف کریں۔ جو شخص قومی خدمت کے لئے سال میں ایک ماہ نہیں دے گا اُسے کہہ دیا جائے گا کہ جاؤ تم ربوہ میں نہیں رہ سکتے۔ پھر ربوہ میں رہنے والوں میں سے ہر ایک کے لئے یہ شرط ہوگی کہ وہ اپنے بچوں کو تعلیم دلائے۔ ربوہ میں ایک بھی جاہل نہیں رہنے دیا جائے گا۔ پھر یہ بھی شرط ہوگی کہ وہ باقاعدہ پانچ وقت نماز کا پابند ہو۔ اگر وہ نماز کا پابند نہیں تو اُسے یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ زمین کی فروخت کے متعلق بعض شرائط پہلے بتا دی گئی تھیں اور بعض شرائط میں نے اب بتا دی ہیں۔ ربوہ میں رہنے والوں کو اخلاقی تعلیم پر پابند رہنا پڑے گا مثال کے طور پر جس کی کوئی چوری ثابت ہوئی اُسے نکال دیا جائے گا۔ اس طرح اور بعض اخلاقی ذمہ داریاں ہوں گی جو ربوہ میں آباد ہونے والوں کو اُٹھانا ہوں گی اور اُنہیں ایک نظام کے ماتحت رہنا پڑے گا۔ پس جو شخص ربوہ میں آباد ہونے کے لئے آنا چاہے اُس کے لئے یہ لازمی ہوگا کہ وہ ان شرائط پر پورے طور پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو ورنہ اُسے نکال دیا جائے گا اور مکان اور زمین کی رائج الوقت قیمت اُسے دے دی جائے گی۔ ہم اِس مرکز کو مستقل طور پر اسلامی نمونہ کا شہر بنانا چاہتے ہیں۔ یہاں پر داڑھی منڈانے کی اجازت نہیں ہوگی اور جو شخص داڑھی منڈائے گا وہ یہاں نہیں رہ سکے گا۔ غرض یہاں رہنے کے لئے اسلامی قیود لازم ہوں گی۔ بیشک تجسس نہیں کیا جائے گا لیکن جو عیب ظاہر ہوگا اُسے ہم برداشت نہیں کریں گے۔ یہ برداشت نہیں کیا جائے گا کہ کسی میں ظاہری عیب بھی پایا جائے اور وہ ربوہ کا باشندہ بھی کہلائے۔‘‘

(غیر مطبوعہ از ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

’’اب میں اپنے اصل مضمون کی طرف آتا ہوں مگر اس سے پہلے میں آپ لوگوں کو ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں۔ آج سے قریباً ۲۳، ۲۴ سال پہلے کی بات ہے یونان میں ایک شخص ہوا کرتا تھا وہ یہ تعلیم دیا کرتا تھا کہ خدا ایک ہے اور وہ دیویاں اور بُت جن کے لوگ معتقد ہیں باطل ہیں ہاں خدا تعالیٰ کے فرشتے موجود ہیں اور کائنات کے مختلف کام ان کے سپرد ہیں۔ وہ یہ بھی کہا کرتا تھا کہ خدا تعالیٰ اپنی مرضی اپنے نیک بندوں پر ظاہر کرتا ہے اور اس کے فرشتے اس

کے نیک بندوں پر جلوہ گر ہوتے اور ان سے کلام کرتے ہیں۔ اس کی یہ بھی تعلیم تھی کہ جس حکومت کے ماتحت تم رہو اُس کے فرمانبردار رہو۔ اگر تم نے دنیا میں امن قائم رکھنا ہے تو تمہیں حکومت سے اپنے مطالبات ہمیشہ امن کے ساتھ منوانے چاہئیں اور اگر کسی وقت تمہیں اُس حکومت پر اعتماد نہ رہے بلکہ تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ تمہارے مذہبی احکام کے بجالانے میں روک بنتی ہے اور تم پر مظالم ڈھاتی ہے اور جبراً تمہارا مذہب تم سے چھڑانا چاہتی ہے تو تمہیں اُس مُلک کو چھوڑ دینا چاہئے اور ایسی حکومت کے ماتحت جا کر بس جانا چاہئے جو خدائی احکام کے بجالانے میں کوئی روک پیدا نہ کرتی ہو۔ یہ ساری تعلیمیں قرآن کریم میں بھی موجود ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ شخص کامل طور پر نبی نہیں تھا تو ایک مأمور من اللہ یا مجدد کی حیثیت ضرور رکھتا تھا۔ اُس کا نام سقراط تھا۔ جب حکومت کو یہ معلوم ہوا کہ وہ حکومت کے خلاف تعلیم دیتا ہے تو اس پر مقدمہ چلایا گیا اور مقدمہ چلانے کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ اُسے زہر پلا کر موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے۔ پُرانے زمانہ میں یہ بھی سزا کا ایک طریق تھا کہ جس شخص کو موت کی سزا دی جاتی تھی اُسے زہر پلا کر مار دیا جاتا تھا۔ سقراط کی سزا کے لئے کوئی معین تاریخ مقرر نہ ہوئی ہاں یہ بتایا گیا کہ جس دن فلاں جہاز جو فلاں جگہ سے چلا ہے اِس مُلک میں پہنچے گا تو اُس کے دوسرے دن اُس کو مار دیا جائے گا۔ سقراط کے ماننے والوں میں بہت سے ذِی اثر لوگ بھی تھے وہ اُس کے پاس جاتے اور اُس پر زور دیتے کہ وہ مُلک کو چھوڑ دے اور کسی اَور مُلک میں جا بسے۔ افلاطون بھی سقراط کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد تھا۔ وہ اپنی ایک کتاب میں لکھتا ہے کہ ایک دن سقراط کا فریتو نامی شاگرد اُن کے پاس گیا۔ وہ اُس وقت میٹھی نیند سو رہے تھے اُن کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی اور اُن کے جسم سے اطمینان اور سکون ظاہر تھا۔ فریتو پاس بیٹھ گیا اور پیار سے آپ کا چہرہ دیکھتا رہا۔ آپ کی اِس حالت کو دیکھ کر کہ آپ نہایت اطمینان سے سو رہے ہیں اُس پر گہرا اثر ہوا۔ اس نے آپ کو جگایا نہیں بلکہ آرام سے پاس بیٹھ کر آپ کا چہرہ دیکھتا رہا۔ جب آپ کی آنکھ کھلی تو آپ نے دیکھا کہ آپ کا فریتو نامی شاگرد آپ کے پاس بیٹھا ہوا ہے اور پیار سے آپ کی طرف دیکھ رہا ہے۔ آپ نے اُس سے پوچھا تم کب آئے ہو اور کس طرح یہاں پہنچے ہو؟ فریتو نے کہا میں آپ کو دیکھنے کے لئے آیا ہوں۔ آپ نے کہا تم

اتنی جلدی صبح صبح کس طرح آ گئے؟ فریتو نے کہا جیل کے افسر میرے دوست ہیں، اس لئے اندر آنے کی مجھے اجازت مل گئی میں آپ سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔ اُنہوں نے کہا معلوم ہوتا ہے تم بہت دیر سے یہاں بیٹھے ہو۔ تم نے مجھے جگایا کیوں نہیں؟ فریتو نے کہا میں جب کمرے میں داخل ہوا تو آپ سوئے ہوئے تھے اور آپ کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی اِس لئے میں نے آپ کو جگایا نہیں بلکہ آپ کے پاس بیٹھ کر آپ کے چہرے کو دیکھتا رہا۔ اِس بات کا مجھ پر گہرا اثر ہوا کہ وہ شخص جس کی موت کا حُکم سنایا گیا ہے کس اطمینان اور سکون سے سویا ہوا ہے۔ سقراط نے کہا میاں! کیا خدا تعالیٰ کی مرضی کو کوئی انسان دور کر سکتا ہے؟ فریتو نے کہا نہیں۔ سقراط نے کہا کیا تم اُس کی مرضی پر خوش نہیں؟ فریتو نے کہا ہاں ہم اُس کی مرضی پر خوش ہیں۔ سقراط نے کہا جب خدا تعالیٰ نے میرے لئے موت کو مقدر کیا ہے تو اُس کو کون ہٹا سکتا ہے؟ اور جب خدا تعالیٰ نے ہی میرے لئے موت مقدر کی ہے اور میں اُس کی رضا پر راضی ہوں تو پھر اِس پر بے چینی کی کیا وجہ؟ مجھے تو خوش ہونا چاہئے کہ میرے خدا کی یہ مرضی ہے کہ وہ مجھے موت دے۔ فریتو تم بتاؤ کہ اِس وقت تم مجھے کیا کہنے آئے تھے؟ فریتو نے جواب دیا میرے آقا میں آپ کو ایک بڑی خبر دینے آیا تھا کہ وہ جہاز جس کی آمد کے دوسرے دن آپ کو زہر پلائے جانے کا فیصلہ ہے وہ گو ابھی تک پہنچا تو نہیں لیکن خیال ہے کہ آج شام کو پہنچ جائے گا اِس لئے کل آپ کو مار دیا جائے گا۔ اِس پر سقراط ہنس پڑے اور کہا میرا تو یہ خیال نہیں کہ وہ جہاز آج پہنچے، وہ کل یہاں پہنچے گا۔ فریتو نے کہا وہ جہاز فلاں جگہ پر لگا ہوا ہے اور ایک آدمی خشکی کے ذریعہ یہاں آیا ہے اور اس نے بتایا ہے کہ وہ جہاز آج شام تک یہاں پہنچ جائے گا کل کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سقراط نے کہا فریتو! بے شک اس شخص نے یہ بتایا ہے کہ جہاز آج شام تک یہاں پہنچ جائے گا لیکن جب خدا تعالیٰ نے بتایا ہے کہ وہ جہاز کل یہاں پہنچے گا تو ویسا ہی ہوگا۔ فریتو نے کہا میرے آقا آپ کو کیسے علم ہوا کہ وہ جہاز کل یہاں پہنچے گا؟ سقراط نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک خوبصورت عورت میرے پاس آئی ہے اُس نے میرا نام لیا اور کہا۔ تیار ہو جاؤ پرسوں جنت کے دروازے تمہارے لئے کھول دیئے جائیں گے۔ فریتو! کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ جہاز آج شام کو یہاں پہنچ جائے گا؟ اگر جہاز آج یہاں پہنچ جائے تو کیا کل مجھے سزا دے

دی جائے گی؟ لیکن فرشتے نے مجھے کہا ہے کہ پرسوں تمہارے لئے جنت کے دروازے کھولے جائیں گے اس لئے جہاز آج نہیں آئے گا کل آئے گا اور پرسوں مجھے ماردیا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک طوفان آیا اور جہاز کو وہیں ٹھہرنا پڑا اور دوسرے دن وہ اس شہر میں پہنچ سکا اور تیسرے دن وہ مارے گئے۔ آپ کی بات سننے کے بعد اُس شاگرد نے کہا آپ کیوں ضد کر رہے ہیں کیا آپ کو ہم پر رحم نہیں آتا؟ اگر آپ زندہ رہیں گے تو ہمیں آپ سے بہت فوائد حاصل ہوں گے۔ اگر آپ یہاں سے بھاگ جائیں اور کسی اَور حکومت کے زیرِ سایہ رہنا شروع کردیں تو کیا ہی اچھا ہو۔ سقراط نے کہا میں اِس مُلک سے کس طرح بھاگ سکتا ہوں؟ کیا میں عورتوں کا لباس پہن کر یہاں سے بھاگ جاؤں؟ اگر میں عورتوں کا لباس پہن کر یہاں سے بھاگ جاؤں تو لوگ کہیں گے سقراط عورتوں کا لباس پہن کر بھاگ گیا۔ یا پھر میں جانوروں کی کھال میں لپٹ کر یہاں سے بھاگ جاؤں؟ کیا اِس سے میری عزت ہوگی؟ فریتو نے کہا میرے آقا! یہ ٹھیک ہے لیکن ہم ان چیزوں کے بغیر آپ کو نکالیں گے۔ میں ایک مالدار آدمی ہوں اور فوجی افسر میرے تابع ہیں میں نے اُن سے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ وہ میری اِس بارہ میں مدد کریں گے اور آپ کو عزت کے ساتھ کسی اور مُلک میں چھوڑ آئیں گے جن میں سے اُس نے کریٹ کا نام بھی لیا۔ سقراط نے کہا پھر تم جانتے ہو کیا ہوگا؟ ایک بھاری رقم بطور تاوان ڈالی جائے گی اور جب ایسا ہوگا تو فریتو تم ہی بتاؤ کیا یہ اچھی بات ہوگی کہ میں اپنی جان بچانے کے لئے اپنے ایک شاگرد کو تباہ کروں؟ فریتو نے کہا میرے آقا! آپ اِس کا خیال نہ کریں آپ کے شاگرد بہت سے ہیں اور یہ رقم ہم آپس میں بحصۂ رصدی تقسیم کرلیں گے۔ سقراط نے کہا ہاں یہ ٹھیک ہے لیکن جب حکومت کو پتہ چلا تو وہ سب کو قید کرلے گی۔ فریتو نے کہا ہاں آقا۔ مگر وہ کچھ مدت کے بعد ہمیں چھوڑ دے گی۔ سقراط نے کہا مگر کیا یہ اچھی بات ہوگی کہ میں اپنی جان بچانے کے لئے اپنے شاگردوں کو قید خانہ میں ڈلواؤں؟ فریتو نے کہا مگر آقا! آپ سوچئے آپ روحانیت کی تعلیم دیں گے اور لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف لائیں گے یہ کتنا بڑا کام ہے اس کے لئے اگر ہم قید میں بھی گئے تو کیا ہوا۔ سقراط نے کہا یہ بات ٹھیک ہے اور شاید یہ بات سوچنے کے قابل ہو مگر فریتو میں جو ۸۵ سال کا ہوگیا ہوں اگر کسی مُلک میں جاتے ہوئے رستہ میں مرجاؤں

تو مجھے کون عقلمند کہے گا کہ میں نے یونہی مفت میں تباہی ڈال دی۔ پھر اُنہوں نے کہا اے میرے شاگرد! تم بتاؤ تو سہی میں تمہیں اِس حکومت کے بارہ میں جس کے ماتحت تم رہتے ہو کیا تعلیم دیا کرتا تھا۔ فریتو نے کہا آپ ہمیں یہی تعلیم دیا کرتے تھے کہ اِس حکومت کا ہمیشہ فرمانبردار رہنا چاہئے۔ سقراط نے کہا اب تم ہی بتاؤ کہ میں اِس چیز کی ساری عمر تعلیم دیتا رہا اب اگر میں موت کے ڈر سے اِس مُلک سے بھاگ جاؤں تو دنیا یہی کہے گی نا کہ میں یہاں کی زندگی میں جھوٹے دعوے کیا کرتا تھا پھر تم ہی بتاؤ کہ کیا حکومت ظالم ہے جس کی وجہ سے ہمیں اِس مُلک سے نکلنا اور اِس کے قانون کو توڑنا جائز ہے؟ دنیا کی کوئی حکومت اپنے آپ کو ظالم نہیں کہتی۔ اگر میں یہاں سے پوشیدہ کسی اور مُلک میں بھاگ جاؤں تو میری بات دوسروں پر کیا اثر کرے گی۔ ہر ایک یہی کہے گا کہ یہ تو وہی بات ہے جس پر اِس نے خود عمل نہیں کیا۔ میں اِس حکومت میں پیدا ہوا اور دعوے کے بعد چالیس سال تک اِس مُلک میں رہا کیا چالیس سال کے عرصہ میں میرے لئے اس مُلک کو چھوڑ جانے کا موقع نہ تھا؟ حکومت یہ کہے گی کہ اگر ہم ظالم تھے تو یہ چالیس سال کے دوران میں کیوں باہر نہیں چلا گیا بلکہ یہ تو ہمارے انصاف کا اتنا قائل تھا کہ یہ شہر سے باہر بھی نہیں نکلتا تھا۔ میں اِن باتوں کا کیا جواب دوں گا؟ غرض اس نے ایک لمبی بحث کے بعد کہا خلاصہ یہ ہے کہ میں یہیں رہوں گا اور حکومت کے مقابلہ کے لئے تیار نہیں ہوگا۔

جیسا کہ میں نے بتایا ہے سقراط کا یہ دعویٰ تھا کہ اُسے الہام ہوتا ہے اور اُس نے اپنے الہام کی ایک معین صورت کو پیش کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ جہاز آج نہیں پہنچے گا کل پہنچے گا۔ میرے خدا نے مجھے کہا ہے کہ تمہارے لئے جنت کے دروازے پرسوں کھول دیئے جائیں گے۔ یہ اِس بات کا ثبوت ہے کہ وہ شخص خدا تعالیٰ سے تائید حاصل کرنے والا تھا۔ اُس نے اپنی جگہ سے نکلنے کا نام نہیں لیا۔

ہماری جماعت میں سے بھی بعض لوگ کہتے ہیں کہ میں قادیان سے کیوں باہر نکلا؟ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں قادیان سے نہیں نکلنا چاہیے تھا اور میں نے خود بھی کہا تھا کہ میں قادیان سے نہیں نکلوں گا بلکہ میں نے بتایا ہے کہ سقراط جو ایک مامور من اللہ تھا اُس کی زندگی میں بھی ایک واقعہ پیش آیا اور اُس نے اپنے شہر سے نکلنے سے انکار کر دیا۔'' (الفضل ۱۶ رجولائی ۱۹۶۱ء)

''جیسا واقعہ سقراط کو یونان میں پیش آیا تھا ویسا ہی واقعہ مجھے قادیان میں پیش آیا لیکن ایک اور واقعہ بھی ہے جو ہمیں ایک اَور نبی اللہ کے متعلق ملتا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق یہ فیصلہ تھا کہ وہ یہود کی بادشاہت کو دوبارہ دنیا میں قائم کریں گے۔ مگر آپ پر ایک وقت ایسا آیا جب سارا مُلک آپ کا دشمن ہوگیا اور اُس کی دشمنی ایک خطرناک صورت اختیار کرگئی۔ یہودیوں نے حکومت کے نمائندوں کے پاس آپ کے متعلق شکایتیں کیں اور آپ کو پکڑوا دیا گیا اور آخر حُکّام کو یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کیا گیا کہ آپ باغی ہیں۔ جس طرح یونان کے مجسٹریٹوں نے یہ فیصلہ کیا کہ سقراط باغی ہے اِسی طرح فلسطین کے مجسٹریٹوں نے یہ فیصلہ کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام باغی ہیں دونوں کے متعلق ایک ہی قسم کا الزام تھا۔ سقراط کے پاس جب ان کے شاگرد گئے اور آپ کو انہوں نے کہا کہ آپ مُلک سے نکل جائیں تو سقراط نے کہا نہیں نہیں میں اِس مُلک سے باہر نہیں نکل سکتا خدا تعالیٰ کی تقدیر یہی ہے کہ میں یہاں رہوں اور زہر کے ذریعہ مارا جاؤں۔ اگر میں اِس مُلک سے باہر نکلتا ہوں تو خدا تعالیٰ کے منشاء کے خلاف کرتا ہوں۔ اِدھر حضرت مسیح علیہ السلام کو جب یہ کہا گیا کہ آپ کو پھانسی پر لٹکا کر مارا جائے گا تو آپ نے فرمایا میں اِس کے لئے تیار نہیں ہوں میں کوئی تدبیر کروں گا تا کسی طرح سزا سے بچ جاؤں۔ اور مسیح علیہ السلام نے تدبیر کی اور جیسا کہ آپ کو پہلے بتا دیا گیا تھا آپ کو دو تین دن تک قبر میں رکھا گیا اور پھر وہاں سے صحیح سلامت نکال لیا گیا۔ آپ اپنے حواریوں سے ملے اور انجیل کے بیان کے مطابق آپ آسمان پر اُڑ گئے لیکن دُنیوی تاریخ کے مطابق آپ نصیبین، ایران اور افغانستان کے راستہ ہوتے ہوئے ہندوستان چلے آئے۔ پہلے آپ مدراس گئے پھر آپ گورداسپور آئے۔ پھر کانگڑہ کی طرف چلے گئے مگر وہاں موسم اچھا نہ پا کر آپ تبت کے پہاڑوں کے راستہ سے کشمیر چلے گئے۔ گویا ایک طرف یہ مثال پائی جاتی ہے کہ مامور من اللہ کے متعلق یہ فیصلہ کیا گیا کہ اُسے مار دیا جائے۔ اُس کے ساتھی اسے نکالنے کے لئے بڑی بڑی رقمیں خرچ کرتے ہیں اور پولیس بھی اُن کے اِس کام میں ہمدردی کرتی ہے مگر وہ انکار کر دیتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کے اصرار کے باوجود یہ کہہ دیتے ہیں کہ وہ یہاں سے کسی اور مُلک میں جانے کے لئے تیار نہیں۔ مگر حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی ایسا ہی واقعہ پیش آتا ہے وہ بھی

مامور من اللہ اور خدا تعالیٰ کے ایک نبی تھے اور جیسا کہ واقعات بتاتے ہیں سقراط بھی ایک مامور من اللہ تھا۔ دونوں ایک ہی منبع سے علم حاصل کرنے والے تھے، ایک ہی قسم کا کام ان کے سپرد تھا۔ لیکن ایک کو جب کہا جاتا ہے کہ آپ یہاں سے نکل جائیں تو وہ یہ جواب دیتا ہے کہ میں یہاں سے نہیں ہٹوں گا اور خدا تعالیٰ کی تقدیر یہی ہے کہ میں یہیں مارا جاؤں اگر میں یہاں سے نکلتا ہوں تو خدا تعالیٰ کے منشاء کے خلاف کرتا ہوں۔ لیکن دوسرے شخص یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کو جب سزا کا حکم سنایا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں میں کوشش کروں گا کہ یہاں سے نکل جاؤں اَور کسی اور جگہ چلا جاؤں۔ یہ واقعات اِس طرح کیوں ہوئے؟ کیا سقراط جھوٹا تھا یا کیا حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک خطرناک غلطی کی اور اپنے آپ کو تقدیر الٰہی سے بچانے کی کوشش کی؟

حقیقت یہ ہے کہ سقراط اُسی شہر کی طرف مبعوث تھا جس کے رہنے والوں نے آپ کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ سقراط اُن جگہوں کے لئے مبعوث نہیں تھا جن کی طرف بھاگ جانے کے لئے اُسے اُس کے شاگرد مجبور کرتے تھے۔ سقراط دوسری قوموں کی طرف مبعوث نہیں تھا لیکن مسیح علیہ السلام کو یہ کہا گیا تھا کہ تم بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں تک بھی میرا یہ پیغام پہنچاؤ اور یہ بھیڑیں ایران، افغانستان اور کشمیر میں بھی بستی تھیں۔ سقراط اگر اپنے شہر کو چھوڑتا تھا تو وہ ایک مکتب اور مدرسہ کو چھوڑتا تھا جس کے لئے اُسے مقرر کیا گیا تھا۔ مثلاً ایک لوکل سکول میں کسی کو ہیڈ ماسٹر مقرر کیا جاتا ہے تو وہ اُس سکول کو بِلا اجازت نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر وہ اُس سکول کو بِلا اجازت چھوڑے گا تو وہ مجرم ہوگا۔ لیکن ایک انسپکٹر کو اپنے حلقہ میں کسی جگہ پر جانا پڑتا ہے تو وہ بِلا اجازت چلا جاتا ہے۔ اور ایک لوکل سکول کا ہیڈ ماسٹر کسی دوسری جگہ نہیں جاتا جب تک وہ اپنے بالا افسر سے چھٹی حاصل نہیں کر لیتا۔ لیکن ایک انسپکٹر بغیر اجازت افسر بالا کے اپنے حلقہ کا دَورہ کرتا ہے۔ ایک ہیڈ ماسٹر کو یہ کہا جاتا ہے کہ تم اگر اپنی جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ گئے تو مجرم ہو گے لیکن انسپکٹر ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہے تو اُسے کوئی شخص مجرم نہیں گردانتا اِس لئے کہ اُس کا دائرہ عمل اُس حد تک وسیع ہے۔ لیکن ایک ہیڈ ماسٹر کا دائرہ عمل ایک سکول تک محدود ہے اور وہ اگر اُس سے نکلتا ہے تو قانون کو توڑتا ہے۔ پس سقراط ایک شہر کی طرف مبعوث کیا گیا تھا اُس کا دائرہ عمل محدود تھا اگر وہ اُس شہر کو چھوڑتا تھا تو گناہ گار تھا کیونکہ اُس کے مخاطب اُسی شہر

کے باشندے تھے لیکن حضرت مسیح علیہ السلام نے فلسطین کو چھوڑا تو اِس لئے کہ اُن کے دائرہ خطاب میں کشمیر بھی شامل تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے جب فلسطین کو چھوڑا تو آپ اپنے دائرہ عمل سے بھاگے نہیں بلکہ آپ اپنی دوسری ڈیوٹی پر چلے گئے۔ اگر آپ فلسطین میں ہی رہتے تو نہ آپ فلسطین میں اپنا کام کر سکتے تھے اور نہ ہی بنی اسرائیل کی دوسری کھوئی ہوئی بھیڑوں تک خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچا سکتے تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے اگر فلسطین کو چھوڑا تو اِس کے بعد آپ کا دائرہ عمل اور وسیع ہو گیا اور یہی وہ چیز ہے جس نے مجھے قادیان چھوڑنے کے لئے اپنی رائے کو بدلنے پر مجبور کیا۔ میرے سپرد جو کام ہے وہ صرف قادیان سے تعلق نہیں رکھتا تھا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسلام کی اشاعت کیلئے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام کو بلند کرنے کی خاطر ساری دنیا کی طرف مبعوث کئے گئے تھے آپ کا دائرہ خطاب صرف قادیان تک محدود نہ تھا۔

بے شک میں نے پہلے یہ فیصلہ کیا تھا کہ میں قادیان میں ہی رہوں لیکن بعد میں جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات پر غور کر کے مجھے یقین ہو گیا کہ جماعت کے لئے ایک ہجرت مقدر ہے تو میں نے سوچا کہ میرا کام قادیان یا صرف ایک مُلک سے وابستہ نہیں بلکہ دوسرے ممالک سے بھی میرا تعلق ہے۔ اگر میں قادیان میں رہتا ہوں تو اِس کے یہ معنی ہیں کہ میں اُن سب کاموں کو ترک کر دیتا ہوں جو میرے سپرد ہیں اور ایک جگہ اپنے آپ کو مقید کر لیتا ہوں جیسا کہ بعد میں قادیان والوں کی حالت ہو گئی تھی لیکن اگر میں قادیان سے باہر چلا جاتا ہوں تو میں صرف ایک چھوٹے سے دائرے سے الگ ہوتا ہوں اور ایک وسیع دنیا کو بُلانے پر قادر ہو جاتا ہوں۔ سقراط نے اپنے شہر کو اس لئے نہیں چھوڑا کہ اُن کے مخاطب صرف اس شہر والے تھے اور حضرت مسیح علیہ السلام نے فلسطین کو چھوڑا تو اس لئے کہ فلسطین میں ان کے مخاطبوں میں سے صرف دو قبیلے تھے اور دس قبیلے فلسطین سے باہر تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی لوگوں کی خاطر فلسطین کو چھوڑا وہ فلسطین میں بسنے والوں سے سینکڑوں گنا زیادہ تھے لیکن میں نے جن لوگوں کی خاطر قادیان کو چھوڑا، قادیان اور اُس کی آبادی اس کا ہزارواں حصہ بھی نہیں۔ پس یہ صحیح ہے کہ پہلے یہی فیصلہ کیا گیا تھا کہ میں قادیان نہیں چھوڑوں گا لیکن جب میں

نے دیکھا کہ ہمارے لئے ہجرت مقدر ہے تو میں نے قادیان کو چھوڑ کر یہاں چلے آنے کا فیصلہ کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ الہام موجود تھا کہ ''داغِ ہجرت''[۷] اور اِدھر میری خوابوں میں بھی یہ بات تھی کہ ہمیں قادیان سے باہر جانا پڑے گا۔ میں نے دیکھا کہ یہ الہام تو موجود ہے مگر ابھی تک ہجرت نہیں ہوئی اِس لئے یا تو یہ مثیل مسیح پر پیشگوئی صادق آئے گی اور یا اسے جھوٹا ماننا پڑے گا۔ یہی وہ چیزیں تھیں جن کی وجہ سے ہمیں قادیان کو چھوڑنا پڑا۔ پھر یہ فیصلہ میں نے خود نہیں کیا بلکہ جماعت کے دوستوں کی طرف سے مجھے یہ مشورہ دیا گیا کہ میں قادیان سے باہر آ جاؤں۔ ویسے میری ذاتی دلچسپیاں تو قادیان سے ہی وابستہ تھیں لیکن میرے سامنے دو چیزیں تھیں اوّل یہ کہ میں قادیان سے باہر چلا جاؤں اور قادیان میں ایک نائب امیر مقرر کر دوں۔ دوم یہ کہ میں اُن سب کاموں کو ترک کر دوں جو میرے سپرد کئے گئے ہیں اور قادیان میں ایک قیدی کی حیثیت سے بیٹھا رہوں۔ اور اس بات کے حق میں کہ میں قادیان میں ہی بیٹھا رہوں ایک رائے بھی نہیں تھی۔ ۷ر ستمبر کو یہ فیصلہ ہوا کہ چونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ اسلام کی اشاعت کا کام قادیان سے باہر آنے پر ہی ہوسکتا ہے اِس لئے ہم جذباتی چیز کو حقیقت پر قربان کریں گے۔ پس میں نے ضروری سمجھا کہ آج میں دوستوں کو بتاؤں کہ ہم نے واقعات کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کیا ہے اور ہمارا قادیان سے باہر آنا ان حالات میں ہوا ہے۔ اگر سقراط کے طریق پر عمل کرتے اور قادیان میں ہی رہتے تو یہ بات غلط ہوتی کیونکہ ہمارے حالات سقراط کے حالات سے نہیں ملتے تھے۔ ہم نے حضرت مسیح علیہ السلام کی مثال پر عمل کیا کیونکہ آپ کے حالات ہمارے حالات سے ملتے تھے۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی جی نہیں چاہتا تھا کہ آپ مکہ کو چھوڑیں لیکن جب آپ نے دیکھا کہ اِس کے بغیر اُس پیغام کو جو آپ دنیا کی طرف لے کر مبعوث ہوئے تھے نہیں پھیلایا جا سکتا تو آپ مکہ چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ غارِ ثور سے نکلے تو آپ نے آب دیدہ ہو کر اور مکہ کی طرف منہ کر کے فرمایا اے مکہ! تو مجھے بڑا ہی پیارا تھا اور میں تجھے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا لیکن افسوس تیرے رہنے والوں نے مجھے یہاں رہنے کی اجازت نہیں دی۔[۸] یہ فقرہ بتاتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکہ کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ آپ کو مکہ سے محبت تھی لیکن

اشاعت اسلام چونکہ مقدم تھی اور مکہ میں رہنے سے اِس کی اشاعت کا کام باطل ہو جاتا تھا اِس لئے آپ نے مکہ چھوڑنا قبول کر لیا۔ میں نے بھی اِسی سُنّت کے ماتحت قادیان کو چھوڑا اور اب واقعات نے تصدیق کر دی ہے کہ میں اِس میں حق بجانب تھا۔ غرض دین کی اشاعت چونکہ سب سے اہم تھی اِس لئے میں نے قادیان چھوڑنا قبول کر لیا اور پاکستان آ گیا۔''

(الفضل ۱۸؍ جولائی ۱۹۶۱ء)

''میں جماعت کے دوستوں کو اِس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ میرے نزدیک اب وقت آ گیا ہے کہ ہم دماغی ترقی کی طرف خاص طور پر توجہ دیں۔ اِس وقت تک جو کتابیں ہماری جماعت کی طرف سے شائع ہوئی ہیں وہ کسی تنظیم کے بغیر شائع ہوئی ہیں سوائے تفسیر کبیر کے۔ لیکن اب وقت آ گیا ہے کہ جماعت کا ہر فرد وقتی ضرورتوں کے ماتحت ایک خاص پروگرام کے ماتحت چلے اور اِس طرح ترقی کرنے کی کوشش کرے۔ اِس لئے میں نے سمجھا کہ میں نیا مرکز بن جانے کے بعد ایک خاص نظام قائم کروں تا جماعت کے افراد کی خاص طور پر تربیت ہو اور اخلاق، عقائد، مذہب اور دیگر دُنیوی علوم پر ہر آدمی آسانی کے ساتھ عبور حاصل کر سکے۔ اور اِس کا یہی طریق ہے کہ آسان اُردو میں ایسی کتابیں شائع کی جائیں جو ہر مضمون کے متعلق ہوں اور علمی مطالب پر حاوی ہوں اور ایسی سیدھی سادی زبان میں ہوں کہ معمولی زمیندار بھی اُنہیں سمجھ سکیں۔ بہت سے علم ایسے ہیں جن سے لوگ ڈرتے ہیں اِس لئے وہ اُن کو سیکھنے کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

ایک فلاسفر نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اُس نے بتایا ہے کہ علوم کیا ہیں۔ اُس نے تمام علوم پر جرح کر کے اور اُنہیں اصطلاحوں سے خالی کر کے پیش کیا ہے۔ اُس نے فلسفہ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فلسفہ کیا ہے۔ فلسفہ گتے کی عمارتیں بنانا، عمارتیں بنا کر ان پر ہاتھ مارنا اور پھر ان کو گرا دینا ہے۔ غرض بہت سے علوم ایسے ہوتے ہیں جن کو لوگ ناواقفیت کی وجہ سے نہیں سیکھتے اور ان سے ڈرتے ہیں۔ اگر سب لوگ انہیں جانتے تو صرف یہی نہ ہوتا کہ بحث میں دوسروں کا ان پر اثر ہوتا بلکہ وہ دوسروں پر غالب آ جاتے۔

بعض لوگ خیال کیا کرتے ہیں کہ ہمیں دُنیوی علوم کی کیا ضرورت ہے؟ مگر یہ حماقت کی

بات ہے۔ اگر ہم اس دنیا میں رہیں گے تو ہمیں دوسرے علوم بھی سیکھنے پڑیں گے اور اگر ہم نے دوسرے علوم سیکھے ہوئے ہوں گے تو کسی سے مغلوب نہیں ہوں گے۔ ہاں روحانیت کی چاشنی ضرور ساتھ ہونی چاہیے۔ اگر ہم دوسرے علوم حاصل نہ کریں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمیں بعض سچائیوں کو بھی نظر انداز کرنا پڑے گا۔ ہر شخص کو اپنے علم پر گھمنڈ ہوتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ جس کو یہ علم نہیں آتا وہ کچھ بھی نہیں۔ میں پرائمری فیل ہوں لیکن دوسرے علوم کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔ قرآن کریم کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں اور قرآنی علوم کا فیضان جو خدا تعالیٰ نے مجھے بخشا ہے وہ ہر ایک کو حاصل نہیں۔ قرآن کریم کے ذریعہ ہی میں نے سب علوم حاصل کئے ہیں لیکن پھر بھی میں دوسری کتب کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں اور وہ لوگ جو اُن علوم کے ماہر ہیں وہ بھی میرے قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

مجھے یاد ہے جب اُمّ طاہر بیمار تھیں میں اُن کے علاج کے سلسلہ میں لاہور گیا ہوا تھا اور ہم شیخ بشیر احمد صاحب کے گھر ٹھہرے ہوئے تھے کہ ایک پارسی لڑکی جو ایم اے کی تیاری کر رہی تھی وہ مجھے ملنے کے لئے آ گئی۔ شیخ صاحب کے گھر ایک لڑکی پڑھانے کے لئے آیا کرتی تھی اُس کے ساتھ وہ لڑکی بھی آ گئی۔ وہ ایم اے فلاسفی میں پڑھتی تھی۔ اُس نے سنا کہ میں لاہور آیا ہوں تو وہ ملنے کے لئے آ گئی۔ وہ میرے پاس آئی اور پوچھنے لگی احمدیت کیا ہوتی ہے؟ اِسی دوران میں اُس نے مجھے بتایا کہ میں ایم۔اے فلاسفی میں پڑھتی ہوں اور ہمارے قاضی محمد اسلم صاحب کا نام لیا کہ اُن سے پڑھتی ہوں وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔ اُس نے مجھ سے باتیں کیں اور سمجھا کہ میں اُس کی وہ باتیں نہیں سمجھتا لیکن جب میں نے اُس پر جرح کی تب وہ بیدار ہوئی اور اُس نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کیا پڑھے ہوئے ہیں؟ میں نے کہا میں پرائمری فیل ہوں۔ اُس نے کہا اچھا! آپ پرائمری فیل ہیں! اور پھر گفتگو شروع کی۔ میں نے پھر اُس پر جرح کی تو وہ کہنے لگی کیا آپ نے ایم۔اے فلاسفی پاس کیا ہوا ہے؟ میں نے کہا میں نے اب تک یہ نہیں سنا کہ پرائمری فیل ایم۔اے فلاسفی پاس ہوتا ہے۔ اُس نے پھر گفتگو شروع کی اور جب بہت مجبور ہو گئی تو کہنے لگی۔ کیا آپ نے امریکہ یا انگلستان میں تعلیم حاصل کی ہے؟ میں نے کہا میں تو پرائمری فیل ہوں۔ وہ پھر تنگ ہوئی تو کہنے لگی کیا آپ وکیل ہیں؟ میں نے کہا میں تو وکیل نہیں

ہوں ہاں میرے میزبان وکیل ہیں۔ اُس نے کہا پھر آپ نے یہ علم کہاں سے حاصل کیا ہے؟ میں نے کہا یہ سب چیزیں خدا تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں۔ اس کے بعد میں نماز کے لئے باہر آ گیا۔ قاضی اسلم صاحب بھی وہاں آئے ہوئے تھے۔ میں نے اُن سے کہا قاضی صاحب! آج آپ کا علم معلوم ہو گیا۔ اُنہوں نے کہا کس طرح؟ میں نے کہا آپ کی ایک شاگرد آئی تھی اُس کے دماغ میں میں نے آدھ گھنٹہ تک یہ بات ڈالنے کی کوشش کی کہ میں پرائمری فیل ہوں مگر وہ یہی پوچھتی تھی کہ کیا آپ ایم۔ اے فلاسفی پاس ہیں؟ کیا آپ نے انگلستان اور امریکہ میں تعلیم حاصل کی ہے؟ کیا آپ بی۔ اے ایل۔ ایل۔ بی ہیں؟ کیا آپ کا شاگرد اتنا بھی نہیں جانتا کہ پرائمری فیل اور ایم اے پاس میں کیا فرق ہوتا ہے۔ وہ کہنے لگے اُس کی عقل ماری گئی تھی وہ کرتی کیا۔ پس خواہ ہم مانیں یا نہ مانیں ہمیں دوسرے علوم ضرور سیکھنے چاہئیں تا کہ ہم معلوم کر سکیں کہ ہمارے مخالفوں کے کیا خیالات ہیں اور ہم اُنہیں کس طرح مغلوب کر سکتے ہیں۔ ہمارے علماء کی یہ غلطی تھی کہ انہوں نے ایک منطق کو اتنی عزت دے دی کہ اُسے قرآن کریم پر بھی حاوی کر دیا۔ حالانکہ ایک منطق کا قرآن کریم پر حاوی ہونا تو کیا وہ تو ہمارے بوٹوں کو صاف کرنے کے قابل بھی نہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہم بھی اِس غلطی کو دُہرانا شروع کر دیں لیکن بہرحال ہمیں دوسرے علوم کی کچھ نہ کچھ واقفیت تو ہونی چاہیے۔

وہ قوم بھی ترقی نہیں کر سکتی جس کے صرف چند افراد عالم ہوں۔ ہم نے اگر ترقی کرنا ہے تو ہمیں جماعت کے علم کے درجہ کو بلند کرنا ہوگا۔ اِس کا طریق یہی ہے کہ کتب کا ایک سلسلہ شروع کیا جائے جس میں دنیا کے تمام موٹے موٹے علوم آ جائیں اور وہ بچوں، درمیانی عمر والوں اور پختہ کار لوگوں غرض سب کے لئے کافی ہوں۔ اس کے تین سلسلے ہوں گے پہلا سلسلہ مڈل سے نیچے پڑھنے والے بچوں کے لئے یا یوں سمجھ لیا جائے کہ پہلا سلسلہ ۱۳ سال سے کم عمر والے بچوں کے لئے ہوگا۔ دوسرا سلسلہ انٹرنس پاس یا سولہ سترہ سال تک کے بچوں کے لئے ہوگا اور تیسرا سلسلہ اس سے اوپر عمر والوں اور پختہ کار لوگوں کے لئے ہوگا۔ یہ کتابیں ایسی سلیس اُردو میں لکھی جائیں گی کہ ایک ادنیٰ سے ادنیٰ اُردو لکھنے والا بھی اسے سمجھ سکے۔ اسی طرح میری رائے یہ ہے کہ یہ کتابیں اس طرز پر لکھی جائیں کہ پہلی کتاب ۵۰ صفحات کی ہو، دوسری ۸۰ صفحات کی ہو اور

تیسری کتاب اوسطاً سَو صفحات پر مشتمل ہو۔ اور پھر ہر وہ کتاب جو سولہ سترہ سال تک کے افراد کے لئے ہو وہ سولہ ہزار الفاظ پر مشتمل ہو۔ اور ہر کتاب جو اس سے اوپر عمر والے افراد کے لئے ہو وہ ۲۵ ہزار الفاظ پر مشتمل ہو۔ اس لئے کہ لکھنے والے ان کتابوں کو غور سے لکھیں اور مطالعہ کر کے لکھیں۔ ان کے لئے ایک رقم بطور انعام مقرر کی جائے گی تا کہ وہ اُس علم کی کتابیں مطالعہ کر کے مضمون لکھیں اور ایسی سلیس اُردو میں لکھیں کہ ہر معمولی خواندہ اسے سمجھ سکے۔ میرا خیال ہے کہ ہر اُس کتاب کے لئے جو پچاس صفحات کی ہو پچاس روپے سے ایک سَو روپیہ تک کا انعام رکھا جائے۔ یونیورسٹیاں بڑی سے بڑی کتب کے لئے پانچ پانچ سَو کا انعام رکھتی ہیں حالانکہ وہ بڑے اعلیٰ پیمانہ کی کتابیں ہوتی ہیں۔ پچاس صفحات کی کتاب کے لئے انعام کے طور پر پچاس روپیہ کی رقم بہت بڑی چیز ہے۔ ایک ماہر ایسی کتاب پندرہ دن میں لکھ سکتا ہے اس طرح اور بہت سے لوگ ایسی کتابیں لکھنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ غرض پچاس سے سَو روپیہ تک کا انعام پہلی کتاب لکھنے والے کے لئے ہوگا جو ۵۰ صفحات یا دس ہزار الفاظ پر مشتمل ہوگی۔ دوسری قسم کی کتاب کے لئے جو ۸۰ صفحات یا سولہ ہزار الفاظ پر مشتمل ہوگی ایک سَو سے ایک سَو پچاس روپے تک کا انعام ہوگا۔ تیسری قسم کی کتاب کے لئے جو سَو سَوا سَو صفحات یا ۲۵ ہزار الفاظ پر مشتمل ہوگی ڈیڑھ سَو سے اڑھائی سَو تک کا انعام ہوگا۔ یہ تین سَو کتب بن جاتی ہیں اور ۴۵ ہزار کے انعام میں لکھی جاسکتی ہیں۔ ان کتب کی اگر تین تین ہزار کاپی شائع کی جائے تو نوے ہزار روپے خرچ ہوں گے۔ پھر یہی نہیں کہ یہ کتابیں صرف احمدیوں میں فروخت ہوں گی بلکہ دوسرے لوگ شائد ہم سے بھی زیادہ تعداد میں انہیں خریدیں۔ کیونکہ ایسا تجربہ آگے کسی نے نہیں کیا۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر کتاب کی تین تین سَو جلدیں ہوں۔ بعض مضامین ایسے ہیں جو صرف دو دو جلدوں میں ہی آ جائیں گے مثلاً سیرت ہے۔ اس کے دو حصے ہی کافی ہیں ایک حصہ بچوں کے لئے ہوگا اور ایک حصہ بڑی عمر والوں کے لئے ہوگا۔ اسی طرح اور بھی کئی مضامین ایسے ہیں جن کے لئے دو جلدیں ہی کافی ہو جائیں گی۔

(ا) ان کتب کی خصوصیات یہ ہوں گی کہ:۔

(i) ان میں تمام قسم کے علوم کے متعلق باتیں ہوں گی۔

(ii) یہ سلیس اُردو میں ہوں گی جسے ایک معمولی اُردو جاننے والا بھی سمجھ سکے۔

(iii) ان میں کسی قسم کی اصطلاح استعمال نہیں کی جائے گی۔ اصطلاحوں کی وجہ سے مضمون سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی پوچھے کہ قضیہ موجبہ یا قضیہ سالبہ کیا ہے؟ تو آپ لوگوں میں سے پچانوے فیصدی ایسے ہوں گے جو یہ سمجھتے ہوں گے کہ پتہ نہیں یہ کتنے علم کی بات کی گئی ہے حالانکہ قضیہ موجبہ کے معنی ہیں وہ آیا اور قضیہ سالبہ کے معنی ہوتے ہیں وہ نہیں گیا۔ یا یہ کہنا کہ اُس نے ایسا کر دیا یا وہ چیز ہوگئی یہ قضیہ موجبہ ہے۔ اور ایسا نہیں ہوا یہ قضیہ موجبہ ہے۔ لیکن نام سن کر آپ حیران ہو جائیں گے کہ یہ کیا چیز ہے لیکن جب اِس کا ترجمہ کر دیا جائے تو ہر ایک کہے گا اچھا یہ بات ہے یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔ پس اِن کتب کے لکھنے میں یہ شرط ہوگی کہ ان میں کسی قسم کی کوئی اصطلاح استعمال نہ کی جائے۔ اسی طرح کسی قسم کا حوالہ نہ دیا جائے۔ ہاں حوالے وغیرہ حاشیہ پر لکھے جا سکتے ہیں۔ اِسی طرح اصطلاحوں کا بھی حاشیہ میں ذکر کیا جا سکتا ہے تا ایک معمولی علم والا اپنے علم کو اعلیٰ درجہ کے علم میں تبدیل کر سکے۔ مثلاً منطقی کہتے ہیں یہ دلیل استقرائی ہے سننے والا گھبرا جاتا ہے کہ یہ کیا چیز ہے حالانکہ اِس کے صرف اتنے ہی معنی ہوتے ہیں کہ وہ چیز جو تم دیکھتے ہو کہ ہوتی چلی آئی ہے دلیل استقرائی ہے۔ مثلاً بچہ ماں سے پیدا ہوتا ہے اِس لئے کہ دنیا میں ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔ چنانچہ دیکھ لو تمہاری دادی سے بچہ پیدا ہوا دادا سے پیدا نہیں ہوا۔ پڑدادی سے پیدا ہوا پڑدادے سے پیدا نہیں ہوا۔ لکڑ دادی سے پیدا ہوا لکڑ دادے سے پیدا نہیں ہوا اور اِسی کا نام دلیل استقرائی ہے اور تم میں سے کون ہے جو یہ نہیں سمجھتا کہ بچہ ہمیشہ ماں سے پیدا ہوتا ہے۔ ایک نیم پاگل سے بھی یہ بات پوچھی جائے تو وہ فوراً یہ بات بتا دے گا لیکن منطقی کہیں گے یہ دلیل استقرائی ہے اور سننے والا جو اُسے نہیں جانتا حیران رہ جائے گا کہ یہ کیا بلاء ہے۔ لیکن چونکہ کبھی کبھی بعض شوقین لوگ علماء کی مجلس میں بھی چلے جائیں گے اور اُن کی باتوں سے لطف اندوز ہوں گے اس لئے حاشیہ میں ان اصطلاحات کا بھی ذکر کر دیا جائے گا۔ اس طرح اُسے یہ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی کہ برکلے اور کانٹ نے کیا کہا ہے بلکہ کتاب کے حاشیے میں ہی یہ لکھا ہوا ہوگا کہ برکلے اور کانٹ کا یہ مقولہ ہے یا یہ فلاں کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ غرض جب بھی وہ چاہے اپنے عام علم کو اصطلاحی علم

میں بول لے یا سیدھی سادی اُردو میں پڑھ لے۔ غرض ہر صفحہ کے نیچے ہر ایک امر کا حوالہ دیا جائے گا تا جس کو شوق ہو تحقیق کر سکے۔ اس سلسلہ کی کئی کڑیاں ہونگی۔

اوّل: بچوں کے لئے یعنی ابتدائی تعلیم سے مڈل تک کے بچوں کے لئے مگر اس سے وہ لوگ بھی فائدہ اُٹھا سکتے ہوں جو معمولی لکھنا پڑھنا ہی جانتے ہوں۔

دوم: بڑے بچوں کے لئے یعنی ہائی سکولوں کے طالب علموں کے لئے۔

سوم: بڑوں کے لئے قطع نظر اس سے کہ وہ کالجوں میں پڑھتے ہوں یا انہوں نے خود تحقیق کی ہو۔

چہارم: محض لڑکیوں کے لئے۔

پنجم: محض لڑکوں کے لئے۔

ششم: محض مردوں کے لئے۔

ہفتم: محض عورتوں کے لئے۔

ہشتم: بیوی کے لیے۔

نہم: میاں کے لئے۔

دہم: اچھے شہری کے لئے۔

میرے نزدیک مختلف ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اِس سلسلۂ کتب میں اِن مضامین پر بحث ہونی چاہیے۔

پہلا سلسلہ (۱) ہستی باری تعالیٰ (۲) معیارِ شناخت نبوت (۳) دعا (۴) قضاء و قدر (۵) بعث بعد الموت (۶) بہشت و دوزخ (۷) معجزات (۸) فرشتے (۹) صفاتِ الٰہیہ (۱۰) ضرورتِ نبوت و شریعت اور اِس کا ارتقاء

دوسرا سلسلہ (۱) عبادت اور اس کی ضرورت (۲) نماز (۳) ذکر (۴) روزہ (۵) حج (۶) زکوٰۃ (۷) معاملات (۸) اسلامی حکومت (۹) اچھے شہری کے فرائض (۱۰) ورثہ (۱۱) تعلیم (۱۲) اخلاق اور ان کی ضرورت (۱۳) تربیت افراد میں قوم کا فرض اور اس کی ذمہ داریاں (۱۴) ملت شخص پر مقدم ہے (۱۵) خاندان فرد پر مقدم ہے (۱۶) حکومت

قوم پر مقدم ہے (۱۷) حکومت اور رعایا کے تعلقات (۱۸) ظاہر و باطن دونوں کی ضرورت اور اہمیت (۱۹) اخوتِ باہمی اوراس کی وجہ سے غریب امیر عالم جاہل پر ذمہ داریاں (۲۰) اسلام کا فلسفۂ اقتصادیات (۲۱) مظلوم کے حقوق اور اُن کا ایفاء اور اُس کا طریقہ (۲۲) ماں باپ کے حقوق، اور اُن کی ادائیگی۔ شادی کے بعد ماں باپ اور خاوند بیوی کے حقوق کا تصادم اور اِس کا علاج (۲۳) میاں بیوی کے باہمی حقوق۔ میاں بیوی کے ایک دوسرے کے والدین کے متعلق فرائض۔ میاں بیوی کے حقوق تربیت اولاد کے متعلق۔ میاں بیوی کے حقوق خاندان کے افراد کے ورثہ کے لحاظ سے (۲۴) آقا اور نوکر کے تعلقات (۲۵) تجارتی لین دین اور قرضہ کی ذمہ داریاں اور جائدادوں کے تلف ہونے کی صورتوں میں اور دیوالیہ ہونے کی صورت میں ہر فریق کی ذمہ داری (۲۶) جہاد (۲۷) حفظانِ صحت جسمانی (۲۸) حفظانِ صحت بحیثیت ماحول (۲۹) محنت کی عادت اور وقت کی پابندی (۳۰) تبلیغ اور اُس کی اہمیت (۳۱) چندہ اوراس کی اہمیت (۳۲) احمدیت میں ہندوستان اور پاکستان کی خاص اہمیت (۳۳) زندگی وقف کرنے کی اہمیت۔

تیسرا سلسلہ (۱) تاریخ مذہب قبل تاریخ (۲) تاریخ ہندو مذہب زمانۂ تاریخ (۳) تاریخ بدھ مت (۴) تاریخ زرتشت (۵) تاریخ مصلحین غیر معروف ارسطو، کنفیوشس وغیرہ (۶) تاریخ دنیا قبل از تاریخ (۷) تاریخ مغرب قبل تاریخ (۸) تاریخ ہند قبل از تاریخ (۹) تاریخ علاقہ جات پاکستان قبل از تاریخ (۱۰) تاریخ شمالی افریقہ قبل مسیح (۱۱) تاریخ یونان قبل تیسری صدی مسیحی (۱۲) تاریخ قبل بادشاہانِ مید و فارس (۱۳) تاریخ ایران بعد بادشاہانِ مید و فارس تا زمانہ عمرؓ (۱۴) سیرۃ النبویؐ (اس کی ضرورت میری سیرت سے پوری ہو چکی ہے) (۱۵) تواریخ خلفاء (۱۶) سیرت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام (۱۷) تاریخ احمدیت بزمانہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام (۱۸) سیرت حضرت خلیفہ اوّل (۱۹) تاریخ احمدیت (خلافت اولیٰ (۲۰) تاریخ احمدیت (خلافت ثانیہ) (۲۱) تاریخ احمدیت افغانستان (۲۲) تاریخ صحابہ مسیح موعود (۲۳) تاریخ اکابر صحابہ رسول کریم ﷺ (۲۴) تاریخ اکابر اصحاب حضرت مسیح موعود علیہ السلام (۲۵) تاریخ صحابیات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (۲۶) تاریخ صحابیات حضرت مسیح موعود

علیہ الصلوٰۃ والسلام (۲۷) تاریخ ہند بزمانہ اسلام تین حصوں میں (الف) افغانوں سے پہلے زمانہ کی (ب) افغانوں کے زمانہ کی (ج) مغلیہ زمانہ کی (۲۸) مبلغین اسلام ہندوستان (۲۹) سوانح صوفیائے کرام (۳۰) تاریخ اسلام اور یورپ (۳۱) تاریخ عرب بعد از چہارم صدی ہجری (۳۲) تاریخ اشاعت اسلام مغربی افریقہ (۳۳) تاریخ ایبے سینیا (۳۴) تاریخ افریقہ وسطی وجنوبی گذشتہ ہزار سال کی (۳۵) تاریخ روما (الف) قبل از مسیح (ب) بعد از مسیح (ج) بعد زمانہ نبویؐ (۳۶) تاریخ قسطنطنیہ (الف) زمانہ نبوی تک (ب) زمانہ نبوی کے بعد اسلام کے قبضہ تک (۳۷) تاریخ ہسپانیہ قبل از تسلط اسلام و بعد تسلط (۳۸) تاریخ صقلیہ قبل از تسلطِ اسلام و بعد تسلطِ اسلام (۳۹) تاریخ روما جنوبی بزمانہ اسلام (۴۰) تاریخ چین بزمانہ اسلام (۴۱) تاریخ فلپائن وملحقہ جزائر بزمانہ اسلام (۴۲) تاریخ انڈونیشیا قبل از اسلام و بعد از اسلام (۴۳) تاریخ سیلون قبل از اسلام و بعد از اسلام (۴۴) تاریخ بخارا وملحقات قبل از اسلام و بعد از اسلام (۴۵) تاریخ روس از ابتداء تا پندرہویں صدی اور پندرھویں صدی سے لے کر آج تک، جس میں خصوصاً اسلام سے اُس کے تعلقات پر روشنی ہو (۴۶) تاریخ مارکسزم (۴۷) تاریخ بالشوزم (۴۸) تاریخ شمالی امریکہ وجغرافیہ (۴۹) تاریخ جنوبی امریکہ وجغرافیہ (۵۰) تاریخ جزائر آسٹریلیا و نیوزی لینڈ وغیرہ (۵۱) احوال الانبیاء

چوتھا سلسلہ (۱) رسالہ کیمسٹری ناواقفوں کیلئے (۲) رسالہ فزکس (۳) موٹے موٹے مضامین کے الگ الگ رسالے (۴) تاریخ سائنس (۵) مسلمانوں کا سائنس میں حصہ (۶) قرآن اور علوم (۷) اسلام اور علوم (۸) علم البحر (۹) مسلمانوں کا علم بحری میں حصہ (۱۰) فلکیات (۱۱) مسلمانوں کا فلکیات میں حصہ (۱۲) جغرافیہ عالم (۱۳) جغرافیہ میں مسلمانوں کا حصہ (۱۴) جغرافیہ طبیعات (۱۵) جغرافیہ طبیعات میں مسلمانوں کا حصہ (۱۶) درندے اور اُن کے اہم افراد اور اُن کی خصوصیات (۱۷) چرندے اور اُن کے اہم افراد اور اُن کی خصوصیات (۱۸) پرندے اور اُن کے اہم افراد اور ان کی خصوصیات (۱۹) مکوڑے اور ان کے اہم افراد اور ان کی خصوصیات (۲۰) رینگنے والے جانور اور اُن کے اہم افراد اور اُن کی خصوصیات (۲۱) پانی کے اندر کے سانس لینے والے جانور اور اُن کے اہم افراد اور اُن

کی خصوصیات (۲۲) پانی میں رہنے والے لیکن باہر نکل کر سانس لینے والے جانور اور اُن کے اہم افراد اور اُن کی خصوصیات (۲۳) ساکن جانور بری اور بحری اور ان کی خصوصیات (۲۴) خورد بینی کیڑے اور اُن کے اہم افراد اور ان کی خصوصیات (۲۵) انسانی پیدائش موجودہ دَور میں مادہ حیات۔ اس کے تغیرات، اس کی صحت اور بیماری کی حالت۔ اُس کے انتقال کا طریقہ اور انتقال کے بعد پیدائش تک کے اَدوار (۲۶) انسانی جسم کی تشریح (۲۷) صحت کی حالت میں اعضائے انسانی کے فرائض اور وظائف (۲۸) مختلف بیماریاں اور اُن کے اسباب (۲۹) علم النباتات (۳۰) علم الجمادات (۳۱) منطق (۳۲) فلسفۂ منطق (۳۳) فلسفہ (۳۴) فلسفۂ فلسفہ (۳۵) فلسفۂ تاریخ (۳۶) طبقات الارض (۳۷) ارتقائے نسل انسانی (۳۸) علم اللسان (۳۹) علم النفس (۴۰) ارتقائے عالم (۴۱) کائنات کی مختلف انواع میں امتیازی شان (۴۲) انسان اور دیگر اشیاء میں فرق (۴۳) علم البدن (۴۴) کیفیت مادہ'' (الفضل ۲۱ر جون ۱۹۶۱ء)

---

۱ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ (الانفال:۳۱)

۲ تذکرہ صفحہ ۳۹۷۔ ایڈیشن چہارم

۳ بخاری کتاب الجهاد والسير باب التحريض على الرمی

۴ بخاری کتاب النکاح باب نظر المرأة الى الجيش (الخ)

۵ متی باب ۵ آیت ۳۹ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لندن ۱۸۸۷ء

۶ لوقا باب ۲۲ آیت ۳۶ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لندن ۱۸۸۷ء (مفہوماً)

۷ تذکرہ صفحہ ۲۷۷۔ ایڈیشن چہارم

۸ السيرة الحلبية جلد ۲ صفحہ ۳۱ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء